ابنِ آدم
صائمہ اکرم چوہدری

صائمہ اکرم چوہدری کے دو خوبصورت ناولوں ابنِ آدم اور بنتِ حوّا کا انتخاب

صائمہ اکرم چوہدری

eBook Publisher : http://kitaabghar.com

''وہ اپنے فلیٹ کے ٹی وی لاؤنج میں رکھے صوفہ کم بیڈ پر انتہائی بے ترتیب حلیے میں لیٹا ہوا تھا، اُس نے گھٹنوں سے تھوڑا سے نیچے آتی بلیک شارٹس پہن رکھی تھی۔ اُس کی بنیان اور ٹی شرٹ سامنے کارپٹ پر لاپرواہی سے پھینکی گئیں تھیں۔ سامنے میز پر صبح کے ناشتے کے برتن اور پاس ہی ڈان اخبار کے چند صفحات پڑھے تھے، ٹی وی کی آواز خاصی بلند تھی اور ٹرالی کے پاس سی ڈیز کا ایک بے ترتیب ڈھیر سا پڑا ہوا تھا جس کو ترتیب سے رکھنے کی اُسے ایک ہفتے سے فرصت نہیں ملی تھی۔ اس وقت دن کے بارہ بج رہے تھے وہ پیٹ کے بل لیٹا ہوا بہت مزے سے ریموٹ کنٹرول سے مختلف چینل بدل رہا تھا۔ آخر کار اُسے اپنے مطلوبہ چینل سے ارفع عزیز کی پاکستان کے کم عمر محنت کش بچوں پر بنائی جانے والی ڈاکومنٹری فلم نظر آ ہی گئی تھی، اُس نے سکون کا سانس لیا تھا، کیونکہ اُسے علم تھا کہ ارفع اس ڈاکومنٹری کے حوالے سے اُس سے بہت جلد بات کرے گی اور اگر اُس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو روٹھنے اور منانے کا سیشن خاصا طویل چلے گا، کیونکہ آج کل وہ ویسے ہی آتش فشاں بنی ہوئی تھی۔''

وہ اب انتہائی انہماک اور دلچسپی سے وہ دلچسپ ڈاکومنٹری فلم دیکھ رہا تھا۔ اس کے پس منظر میں ارفع کی خوبصورت آواز تھی۔ ڈاکومنٹری کا اسکرپٹ، لوکیشنز اور ریسرچ ورک تمام چیزیں ہی لاجواب تھیں۔ وہ اپنا کام انتہائی محنت، لگن اور ایمانداری سے کرنے کی قائل تھی۔ اُس نے ڈاکومنٹریز اسکرپٹ رائٹنگ کا باقاعدہ کورس آسٹریلیا کی گریفتھ یونیورسٹی سے کیا تھا۔ اس لیے وہ چھوٹی سے چھوٹی باریکیوں کا بھی بے حد خیال رکھتی تھی۔ خضر حیات نے اُسے ان چیزوں پر بھی پریشان ہوتے دیکھا تھا جس کو بڑے بڑے ڈائریکٹرز بھی بعض اوقات نظرانداز کر دیتے تھے۔

وہ اپنے کام کے بارے میں پاگل پن کی حد تک جنونی تھی۔ اس لیے اُسے دوسروں کا کام کم ہی پسند آتا تھا یہی وجہ تھی کہ ایک دو لوگوں کے علاوہ اکثر لوگ اُس کو چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ اُس کا کیمرہ مین اُس سے حد درجہ تنگ تھا کیونکہ وہ اس زچ کر کے رکھ دیتی تھی، کیونکہ ارفع نے ڈاکومنٹری کے حوالے سے کیمرے کی تکنیکس کا بھی ایک کورس کر رکھا تھا۔ وہ اپنی سب سے بڑی نقاد خود تھی۔ اس لیے اکثر لوگ اس کے ساتھ کام کرنے سے کتراتے تھے۔ خضر نے بڑی دلجمعی سے اس کی ڈاکومنٹری فلم دیکھی اور پھر ٹی وی بند کر کے ریموٹ کنٹرول ایک دفعہ پھر نیلے کارپٹ پر پھینک دیا تھا۔ اُسی وقت اس کے فلیٹ کی گھنٹی بجی، اُس نے کاہلی سے وال کلاک پر ٹائم دیکھا، دن کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

وہ سستی سے جمائیاں لیتے ہوئے بمشکل اُٹھا تھا۔ نیند آنکھوں میں بڑی مضبوطی سے ڈیرے جمائے ہوئے تھی۔ سلیپر پاؤں میں ڈال کر وہ بے زاری سے پاؤں گھسیٹتے ہوئے دروازہ کھولنے گیا تھا۔

''مجھے یقین تھا کہ تم پوستی بن کر ابھی تک لیٹے ہوئے ہو گے.....'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر فوراً اندر داخل ہوئی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی خضر کی ساری سستی اور کاہلی وقتی طور پر رفوچکر ہوگئی تھی۔

''تم بھی 'بُرے وقت' کی طرح ہو جو کبھی بھی آسکتا ہے.....'' اُس نے سر کھجاتے ہوئے اُسے تپایا تھا۔

''بکومت، اور ہزار دفعہ کہا ہے کہ یہ گھر میں عمران ہاشمی بن کر مت پھرا کرو، جب دیکھو ننگے پنڈے پھر رہے ہوتے ہو.....'' ارفع نے کارپٹ سے شرٹ اُٹھا کر اس کی طرف اچھالی، جو سخت صدمے سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''بس، بس زیادہ اوور ایکٹنگ کرنے کی ضرورت نہیں، مجھ سے تو تمہارا ایک پروگرام برداشت نہیں ہوتا اور تم نے گھر میں بھی ڈرامہ بازی شروع کر دی ہے......'' وہ کارپٹ پر پھیلی چیزوں کو اُٹھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ایک دنیا مرتی ہے میرے اس ٹاک شو پر، جس میں تم سو سو کیڑے نکال رہی ہو......'' وہ اس کے سامنے آ کر مصنوعی غصّے سے بولا تھا۔

''ظاہر ہے کہ مرے ہوئے لوگوں کو ہی یہ چیز پسند آ سکتی ہے ورنہ زندہ اور عقل والوں کو ایک منٹ میں پتا چل جاتا ہے کہ یہ جو دانشور بن کہ سیاستدانوں کو لڑا رہا ہے، یہ نری ڈرامہ بازی کر رہا ہے، ویسے تم لوگوں کو قوم کے جذبات سے کھیلتے ہوئے شرم نہیں آتی......'' وہ گیلا تولیہ باہر ٹیرس پر پھیلا کر معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔ اُس نے آج بھی اپنی بلیو مخصوص جینز کے ساتھ سفید کرتا پہن رکھا تھا۔ بالوں کو اُس نے حسبِ معمول گول مول کر کے جوڑا سا بنایا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی راج ہنس جیسی گردن خاصی نمایاں سی لگ رہی تھی۔ اُس کے گلے میں اس کی بہت سال پرانی چین میں چھوٹا سا لاکٹ تھا جس پر چھوٹے چھوٹے ڈائمنڈز کے ساتھ اللہ لکھا ہوا تھا۔ یہ لاکٹ اس کے بابا فرانس سے لائے تھے۔

''اور جو تم ڈاکومینٹریز کے ذریعے دنیا میں مایوسی پھیلاتی ہو، اُس کے بارے میں کیا خیال ہے......؟ وہ شرٹ کے بٹن کالر سے بند کرتا ہوا بولا تھا۔ یہ کام کر کے وہ ایک دفعہ پھر صوفے پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

''ہم لوگ گفتار کے غازی نہیں، دنیا کو حقیقت سے باخبر کرتے ہیں، ڈرامے بازیاں نہیں کرتے، تحقیق کر کے کام کرتے ہیں......'' وہ اب سی ڈیز کے ڈھیر کو ان کے ٹھکانے پر ترتیب سے رکھتے ہوئے انتہائی اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ یہ سارے کام وہ اکثر آتے جاتے یا پھر خصوصاً اتوار کو تو آ کر لازمی کرتی تھی......

''ہم بھی سیاستدانوں کے کچے چٹھے کھولنے کے لیے سخت محنت کرتے ہیں، ایسے ہی نہیں ایک گھنٹے کا پروگرام ہو جاتا......'' خضر نے بمشکل جمائی کو روکا تھا۔

''لو ان کے کھاتے کس کو نہیں پتا، پاکستان کا بچہ بچہ ان نااہل حکمرانوں کے کارنامے جانتا ہے......'' اُس نے طنزیہ نظروں سے اُسے دیکھا تھا جو لاپرواہی سے ٹانگ کے نیچے کشن رکھے لیٹا تھا۔

''اور جہاں تک تمہارے ایک گھنٹے کے پروگرام کا تعلق ہے، آدھا ٹائم تم لوگوں کو آپس میں لڑانے میں اور آدھا ''بریک'' لینے میں گذار دیتے ہو، آخر میں نکلتا کچھ بھی نہیں......'' وہ ساری چیزیں ٹھکانے پر رکھ کر اب کمرے کا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی۔ کمرے کا حلیہ اب کافی بہتر ہو گیا تھا۔

''وہ تمہاری روشن اماں صاحبہ کیا آج بھی صفائی کے لیے تشریف نہیں لائیں گی کیا......???'' ارفع نے کھڑے کھڑے کچن میں بھی جھانکا تھا، جہاں ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا۔

''اُن کی بہو صاحبہ نے ایک دفعہ پھر محکمہ بہبود آبادی کو دھتا ڈالا ہے خیر سے آٹھویں بچے کی اماں بن گئیں ہیں، اماں روشن جمال آراء آج کل بہو کی خدمتیں فرما رہیں ہیں......'' اُس نے شرارتی لہجے میں کہا۔

''ماشاء اللہ......!!! اللہ ہی رحم کرے ان لوگوں کے حال پر، ایک کمرے کا گھر اور گیارہ بندے......!!!'' وہ اپنے اسٹیپ کٹنگ بالوں کو

جو کھل گئے تھے۔اب گول مول جوڑے کی شکل میں ایک دفعہ پھر باندھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہہ رہی تھی۔اُسے سخت غصہ آ رہا تھا۔

''ویسے وہ ایک مشورہ دے رہی تھیں، تمہارے لیے......'' وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اس کی آنکھوں میں شرارت مچل رہی تھی۔ارفع نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ کہہ رہی تھیں کہ ارفع بی بی سے کہنا کہ اب یہ فلمیں شلمیں بنانا چھوڑے اور آ کر اپنا گھر سنبھالے، اُنہوں نے کوئی ساری زندگی کا ٹھیکا تو نہیں لے رکھا مجھ معصوم کا......'' اس کی اداکاری عروج پر تھی۔

''انہوں نے کون سا مفت کا ٹھیکا لے رکھا ہے، مہینے میں دس تو چھٹیاں کر لیتی ہیں، چار پانچ تم دے دیتے ہو، ان کا تو مفت کا وظیفہ لگا ہوا ہے۔''

''ثواب ملتا ہے انہیں، ایک یتیم مسکین بچے کی خدمت کرتی ہیں......'' وہ ایک دفعہ پھر ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا تھا۔

''او نہہ یتیم، مسکین تو دیکھو......!!!'' اُس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔وہ اب کچن میں آ گئی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ سارے برتن اکھٹے کر کے دھوتی، وہ ٹی وی لاؤنج سے اونچی آواز میں بولا تھا۔''رہنے دو روشن لعل آ رہی ہیں ان کا فون آیا تھا کہ ڈیڑھ بجے آئیں گی......''

''تو یہ بکواس تم پہلے نہیں کر سکتے تھے، خوامخواہ سارا کمرہ بھی صاف کروا دیا......'' وہ باہر نکل کر کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑاکا انداز میں گویا ہوئی۔اُس کی بادامی کٹورا جیسی خوبصورت آنکھوں میں جھنجھلاہٹ تھی۔

''پہلے کہہ دیتا تو تمہارا یہ گھریلو سا روپ کیسے دیکھنے کو ملتا، تم سے اس طرح کے کام کرتی بہت ظالم لگتی ہو......'' وہ شرارت سے ایک آنکھ دبا کر بولا تھا، ارفع کو بے اختیار ہنسی آ گئی تھی۔''سخت لوفر لگ رہے ہو......''

''جیسا بھی ہوں، اب تو تمہارے پلّے پڑ گیا ہوں......'' اُس نے پھر ایک لمبی جمائی لی۔

''دوبارا یہ ہاتھی جیسا منہ کھولا تو جبڑا توڑ کر ہاتھ میں دے دوں گی، جب سے آئی ہوں ایک عجیب سی نحوست پھیلا رکھی ہے۔'' وہ دوبارا کچن میں آ کر صاف سا سس پین نکال کر چائے رکھ کر آئی تو وہ اب بالکل فریش بیٹھا ہوا تھا۔

''یہ جس کو تم سو سو باتیں کرتی ہو، اس کی اسمارٹنیس اور ڈیشنگ پرسنالٹی پر ایک دنیا آہیں بھرتی ہے، یاد نہیں تمہاری بہن نے کتنی منتیں کی تھیں کہ میں اس کے فیشن شو میں حصہ لوں، وہ تو مجھے ایسی نمائشی پریڈ پسند نہیں تھی ورنہ اب تک تو میں ماڈلنگ میں تہلکہ مچا چکا ہوتا......'' ارفع کو معلوم تھا کہ وہ اپنی پرسنالٹی کے متعلق بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے لیکن یہ ایک ایسی حقیقت تھی جسے آج تک اس نے زبان سے تسلیم نہیں کیا تھا۔

''تم شوبز کی دنیا میں تہلکہ مچانے سے پہلے ایک دفعہ واش روم میں جا کر اچھی طرح منہ دھو کر آؤ، ورنہ جیسے منہ پھاڑ کر تم جمائیاں لے رہے ہو حلق کا کوّا تک نظر آ رہا ہے۔ایک دم جاہل لگ رہے ہو......'' اُس کا لہجہ سنجیدہ جب کہ آنکھوں میں شوخی نمایاں تھی۔

''ایک بات تو بتاؤ ارفع عزیز......؟؟'' وہ حد درجہ سنجیدگی سے ایک دفعہ پھر اُٹھ کر سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے انتہائی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔''جب تم آسٹریلیا ڈاکومنٹری اسکرپٹ رائٹنگ کا کورس کرنے گئیں تھیں اُسی دوران کیا تم نے ''طنزیات'' میں بھی پی ایچ ڈی کر لی تھی۔''

ارفع نے اُسکی بات پر اپنے ہونٹوں پر آنے والی بے ساختہ مسکراہٹ کا گلا بہت صفائی سے گھونٹا تھا وہ کچن میں جاتے جاتے اُسے بتا رہی

تھی''۔جی جناب میں نے ''طنزیات'' میں پی ایچ ڈی اُسی وقت کی تھی جب تم انگلینڈ سے ''سستی اور کاہلی'' کے ڈپلومے لے رہے تھے اور تم نے ان ڈپلوموں میں پوری یونیورسٹی میں ٹاپ بھی کیا تھا۔'' وہ کون سا کسی سے کم تھی۔

''کاش تم میری تایازاد کزن نہ ہوتیں، کاش تم میری ہونے والی منکوحہ اور میری آخری محبت نہ ہوتیں......'' وہ اب دہائی دے رہا تھا۔

''ہائے ماں، ہائے باپ، کن ظالم رشتے داروں میں اپنے اکلوتے بیٹے کو چھوڑ گئے، یہ بھی نہ سوچا کہ دنیا کتنی ظالم ہے......''

''یہ چائے کا کپ پکڑو اور ایکٹنگ بند کرو......'' وہ اپنا مگ تھام کر سامنے پڑے فلور کشن پر بے تکلفی سے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی تھی۔ اُس نے ایک پلیٹ میں کیک رس رکھے ہوئے تھے جن کو وہ چائے میں ڈبو ڈبو کر کھا رہی تھی۔ خضر نے اُسے غور سے دیکھا وہ حد درجہ حسین لڑکی تھی اُس کی نانی خالصتاً ایرانی حسن کا ایک لاجواب مثال تھیں، وہی چیز دراثت میں اسکی ماما یعنی خضر کی تائی اور ان کی بیٹیوں کو وافر مقدار میں ملی تھی۔ بے تحاشا سرخ و سفید رنگت، جیسے کسی نے دودھ میں ہلکا سا جام شیریں ڈال دیا ہو۔ بے داغ جلد، ستواں ناک، کٹاؤ دار ہونٹ، کٹورا بادامی رنگ کی آنکھیں، لمبا قد اور انتہائی متناسب سراپا، وہ جس قدر خوبصورت تھی اس سے زیادہ اپنے حسن سے لاپرواہ۔

''تم نے رات نیوز میں دیکھا، شرمین عبید چنائے نے آسکر ایوارڈ کی تاریخ میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ اُس کی ڈاکومنٹری فلم ''سیونگ دی فیس'' کیا کمال کی چیز ہے۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ آسکر کی چوراسی سالہ تاریخ میں کبھی پاکستان کا نام بھی آئے گا۔ کمال کر دیا شرمین نے......'' وہ کھلے دل سے اُسے سراہ رہی تھی۔

''اس میں کمال کی کیا بات ہے؟ سیونگ فیس لندن میں مقیم پاکستانی نژاد برطانوی شہری ڈاکٹر جواد کے پاکستان واپس آنے اور ملک میں تیزاب کے حملوں کا شکار خواتین کے حوالے سے کام پر ایک دستاویزی فلم ہے۔ عام سی کہانی ہے کیا خاص ہے اس میں......'' وہ چائے پیتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تھا۔

''خضر حیات اس قدر اہم کام کو تم عام سی کہانی کہہ رہے ہو۔ اس کے کام کو بین الاقوامی سطح پر سراہا گیا ہے۔ دنیائے فلم کا سب سے بڑا اعزاز ''آسکر ایوارڈ'' کیا معمولی بات ہے......'' وہ چائے میں رس کیک بھگونا بھول کر حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

''کتنی بے وقوف قوم ہے جو اس بات کو سمجھتی ہی نہیں کہ اس سے پاکستان کا منفی تاثر پوری دنیا میں پھیلایا گیا ہے......'' اس کی سنجیدگی کم ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

''تم لوگ ہر چیز کا منفی پہلو ہی کیوں دیکھتے ہو؟'' وہ جذباتی ہوئی۔ ''یہ ایک برطانوی ڈاکٹر کی پاکستان سے محبت اور انسیت کی کہانی ہے اور دوسری جانب یہ بھی بتاتی ہے کہ پاکستان کی پارلیمنٹ میں ایسے واقعات کے خلاف قانون سازی کے مثبت پہلو کو بھی اجاگر کیا گیا ہے لیکن ہم لوگوں کو بس منفی پہلو دیکھنے کی عادت بن چکی ہے۔'' اُس نے چائے کا کپ منہ سے لگایا تھا۔

''تم ایک بات بتاؤ ارفع عزیز، کیا عرفان صدیقی نے اپنے کالم میں ٹھیک نہیں لکھا کہ ''آسکر ہو یا کوئی اور عالمی اعزاز، صرف اس صورت میں کسی پاکستانی شخصیت، ادارے، تنظیم یا اُس ہی این جی او کا ہی مقدر کیوں بنتا ہے جس میں پاکستانی معاشرے کی گھناؤنی، متعفن اور نفرت انگیز

تصویر پیش کی گئی ہو۔ بظاہر ہمارے سینے پر ایک تمغہ سجا کر پاکستان کو بظاہر شاباش دی جاتی ہے لیکن در حقیقت پاکستان کا تیزاب زدہ مسخ چہرہ ساری دنیا کو دکھا کر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ پاکستان درندوں کی کمین گاہ ہے۔''

''تو کیا ایسا نہیں ہے ساری دنیا جانتی ہے کہ پاکستان میں ایسا ہو رہا ہے یہ کوئی غلط بات تو نہیں.....'' ارفع کی رنگت کی سرخی میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

''یہ صرف پاکستان میں ایسا نہیں ہو رہا، انڈیا، بنگلہ دیش، نیپال اور حتیٰ کہ یورپی ممالک میں بھی ایسے واقعات سامنے آتے ہیں، پھر صرف پاکستان کو ہی ہر جگہ پر کیوں نمایاں کیا جاتا ہے۔'' خضر کی آنکھوں سے بھی ناراضگی جھلکی۔

''اس لیے کہ تھامس رائٹرز فاؤنڈیشن نے عورتوں کے حوالے سے ایک سروے میں پاکستان کو عورتوں کے لیے تیسرا بڑا خطرناک ملک قرار دیا ہے۔ پہلے نمبر پر افغانستان اور دوسرے پر ڈیموکریٹک ری پبلک آف کانگو ہے.....'' بحث میں ہار ماننا تو اُس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

''ہونہہ.....!!! خضر نے ناک سے فرضی مکھی اڑائی.....'' کون سی احمقوں کی جنت میں رہتی ہیں آپ ارفع عزیز صاحبہ، یہ سروے کرنے والے کون لوگ ہیں اور اپنا پیٹ ننگا کر کے کون دیکھتا ہے۔ مغرب میں عورتوں کو جیسے پھولوں کی طرح رکھا جاتا ہے ناں، وہاں تو ذہنی، جسمانی اور جنسی تشدد کے حوالے سے جیسے عورتیں بہت محفوظ ہیں ناں، آئے دن اُن کے اخبارات بھی ایسے واقعات سے بھرے ہوتے ہیں، آپ پتا نہیں کون سی دنیا کی بات کرتی ہیں.....'' وہ بھی ٹی وی کا ایک کامیاب اینکر پرسن تھا، جس کے پروگرام کی ریٹنگ خاصی زیادہ تھی۔

''وہاں اگر ظلم ہوتا ہے تو انصاف بھی ہوتا ہے، ہماری طرح ساری زندگی عدالتوں کے دھکے کھاتے نہیں گزر جاتی.....'' وہ پھٹ پڑی تھی۔

''چلو تم نے یہ تو مانا، کہ وہاں بھی ظلم ہوتا ہے، ہمیشہ یاد رکھنا کہ ظلم ہمیشہ ظلم ہوتا ہے چاہے وہ مرد پر ہو یا عورت پر، لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ظلم کو بھی ہمیشہ صنفی تعصب کے خانے میں فٹ کر کے دیکھتے ہیں۔ دنیا جہاں میں عورتوں کے حقوق کی تنظیمیں ہیں، کبھی مردوں کے حقوق کی تنظیموں کے بارے میں سنا یا پڑھا ہے۔؟ حالانکہ اکثر صورتوں میں مرد بیچارہ بھی عورت کے ہاتھوں ظلم کا شکار ہو رہا ہوتا ہے، اور عورت تو زیادہ تر عورت ہی کے ہاتھوں ہی خوار ہو رہی ہوتی ہے۔ کبھی براہ راست تو کبھی بلواسطہ مرد کے ذریعے کردار ہی ہوتی ہے۔'' خضر نے بظاہر ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا لیکن ان کی گفتگو ہمیشہ کی طرح اُس مرحلے میں داخل ہو چکی تھی جس کا اینڈ ایک زوردار قسم کی لڑائی پر ہی ہوتا تھا۔

''تم سے تو بحث کرنا ہی فضول ہے، کہاں کی بات کہاں لے جاتے ہو۔ اصل میں تمہیں تکلیف شرمین کے ایوارڈ لینے پر ہو رہی ہے کہ یہ آسکر اگر پاکستان کو ملا بھی تو ایک عورت کے ہاتھوں۔'' وہ اس کے اس ''شاندار'' انکشاف پر ہکا بکا رہ گیا۔

''استغفراللہ۔ کاش کہ جس موضوع پر کام کر کے اور پوری دنیا کے سامنے پاکستان کا منہ کالا کر کے اُس عظیم خاتون کو ایوارڈ ملا ہے یہ اعزاز شکر ہے کہ کسی پاکستانی مرد کے حصے میں نہیں آیا۔ اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے.....'' اندر اٹھتے گہرے اشتعال کو چھپا کر وہ بڑے تحمل سے بولا تھا ورنہ ارفع کی یہ عادت اُسے خاصی ناپسند تھی کہ وہ خاصے سب سے تیکھے انداز سے اُسے چڑانے کے لیے خاصے غلط قسم کے اندازے لگاتی تھی۔

''ویسے ایک بات تو بتاؤ کہ میں تمہیں کیا واقعی ہی اتنا تنگ نظر یا دقیانوس لگتا ہوں کہ میں صنفی تعصب کا بات بے بات مظاہرہ کروں.....''

وہ تھوڑا سا جھک کر اس کا سوجا ہوا منہ دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''صنفی تعصب کا تو پتا نہیں لیکن مجھے اتنا پتا ہے کہ میری ہر بات کی مخالفت تم اپنا پیدائشی، قانونی اور معاشرتی حق سمجھتے ہو......'' تپ کر کھڑے ہوتے ہوئے اُس نے ہمیشہ کی طرح ایک ''اور'' غلط اندازہ لگایا تھا۔ وہ اپنے گھر جانے کے لیے کھڑی ہوگئی تھی اس کا مزاج خاصا برہم ہو چکا تھا۔

''کیا تم پر میرا کوئی حق نہیں......'' اُس کے ذومعنی لہجے اور آنکھوں سے مچلتے جذبوں سے صاف نظریں چراتے ہوئے اُس نے لاپرواہی سے سرکونفی میں خفیف سی جنبش دی۔

''سوچ لو......'' وہ بلند آواز میں اُسے جاتے ہوئے دیکھ کر بولا تھا۔

''مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے سوچنے کی......'' اُس کی ناراض آواز پر خضر کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑی تھی۔ ''مجھے دوپہر کا کھانا کون بنا کر دے گا، ایمان سے سخت بھوک لگی ہے......'' اُس نے سارے جہان کی معصومیت اپنے لہجے میں سمو کر کہا تھا۔ وہ چلتے چلتے رُکی تھی۔ پیچھے مڑ کر اُس نے کھا جانے والی نظروں سے اُسے دیکھا جو شوخ نظروں سے اُس کو دیکھ رہا تھا۔

''میں نے ٹھیکہ نہیں اُٹھا رکھا......'' اپنی بات کہہ کر اُس نے ٹھاہ کر کے دروازہ بند کیا تھا۔ خضر اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔ اُسے علم تھا کہ وہ اگلے پورے چار دن اس سے خفا رہے گی اس سے زیادہ اس میں ہمت نہیں ہوگی اور اس کے بعد ایسے بات کرے گی جیسے یہ لڑائی کبھی ہوئی ہی نہ ہو۔

اُس کے فلیٹ سے نکلنے کے ٹھیک دو منٹ بعد اس کے سیل فون کی بپ بجی۔ اُس کو ایک سو ایک فیصد یقین تھا کہ یہ ارفع عزیز کا ہی میسج ہوگا اور وہ ہی ہوا تھا۔ ''کچن میں سُرخ لنچ باکس میں کریلے گوشت کا سالن ہے، ٹھونس لینا......'' اُس کا میسج پڑھ کر ایک بے ساختہ قہقہہ اُس کے حلق سے نمودار ہوا تھا۔

ٹھیک دو منٹ بعد ارفع کو اُس کا میسج ملا تھا۔ ''گاڑی کی ابھی بینک کی قسطیں باقی ہیں اس لیے آنکھیں کھول کر اور دماغ ٹھنڈا کر کے چلانا تمہاری تو خیر ہے، گاڑی البتہ نئی ہے۔''

☆ ☆ ☆

''ہائے ڈارلنگ! تمہیں معلوم ہے کہ سائنسدانوں کو ایٹم بم بنانے کا خیال کیسے آیا......؟؟؟'' خضر حیات کا یہ ایس ایم ایس ارفع عزیز کو اُس وقت موصول ہوا جب وہ اسلام آباد کی ایک کچی آبادی پر بنانے والی ڈاکومنٹری کے انٹرویو کرنے میں مگن تھی۔ سخت گرمی میں سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ وہ دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے سر پر چھاتا تانے کھڑی تھی لیکن جون جولائی کی شدید گرمی کے آگے اس کمزور سے چھاتے کی کیا حیثیت تھی۔ اُس نے اس ایس ایم ایس کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور اُسے معلوم تھا کہ خضر کو جب تک اس کا جواب نہیں ملے گا وہ ڈھٹائی کی تمام حدوں کو توڑتے ہوئے اُسے ایک ہی پیغام ہر دو منٹ بعد بھیجتا رہے گا۔ وہ ہی ہوا تھا۔ ٹھیک دو منٹ ساٹھ سیکنڈ بعد اس کے سیل فون کی میسج ٹون دوبارہ بجی۔

ارفع نے جھنجھلا کر اسکرین کو دیکھا۔اُس پر اب کے تحریر تھا۔

''اے میری مصروف ترین لڑاکی دوست، کیا تمہیں پتا ہے کہ سائنسدانوں کو ایٹم بم بنانے کا خیال کیسے آیا.....؟؟؟''

''نہیں.....!!!''اُس نے مختصر جواب لکھا۔دوسری طرف سے فٹ ہی اطلاع آئی۔

''ان کو ایٹم بم بنانے کا خیال عورتوں کی زبان دیکھ کر آیا تھا.....'' سخت مصروفیت کے عالم میں بھی اس دفعہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آہی گئی تھی۔

''بکواس بند کرو، اور اپنا ہوم ورک ڈھنگ سے کرو، رات ایک تو تمہارا پروگرام انتہائی فضول تھا اوپر سے تم نے انتہائی واہیات ٹائی لگا رکھی تھی۔زہر لگ رہے تھے، دل کر رہا تھا کہ گردن سے پکڑ کر ٹی وی سے باہر نکال لوں.....''اُس نے بان کی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بڑی تیزی سے یہ میسج ٹائپ کیا تھا۔اُس کا اسسٹنٹ ایک دفعہ پھر وہاں موجود لوگوں کو ہدایات دینے میں مگن تھا۔گرمی اور دھوپ کی شدت سے اُس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔

''وہ خوبصورت ٹائی مجھے میری ایک بہت ہی پیاری ''فین'' نے دی تھی۔اگر میں اس کو نہ لگا کر جاتا تو اس کا دل ٹوٹ جاتا.....''اس کا معصومانہ انداز ارفع کو زہر لگا تھا۔

''تم نے دوبارہ وہ ٹائی لگائی تو اُسی کا پھندہ بنا کر تمہیں اس دنیا سے رخصت کر دوں گی.....''اُس کے جوابی حملے پر خضر نے بے اختیار ہی اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اس کو سہلایا تھا۔شکر تھا کہ وہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھی ورنہ اُس سے کوئی بعید نہیں تھی۔

''شام کو مجھے ڈنر کروانے کے لیے شرافت سے منال ریسٹورنٹ لے جانا، اپنے بے تکے پروگرام کے لیے ریسرچ پہلے ہی کر لینا، کوئی بہانہ نہیں سنوں گی.....''اس کا دھونس بھرا میسج پڑھ کر خضر کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''ہزار دفعہ کہا ہے کہ مجھے مارگلہ کی خونی پہاڑیوں سے خوف آتا ہے، تمہیں زمین پر کوئی جگہ نہیں ملتی کھانا کھانے کو، اُس پہاڑی تھمسن گھیریوں پر چڑھ کر اپنا آدھا خون خشک کر کے کھانا کھانے کی کیا تک بنتی ہے بھلا.....؟؟؟خضر نے بڑی سرعت سے جواب لکھا تھا۔

''ہمیشہ ڈرپوک ہی رہنا، تمہیں کیا پتا کہ بلندیوں کا اپنا ایک نشہ ہوتا ہے، انسان جب آسمان کو چھونے کی دھن میں اوپر سے اوپر بھاگتا ہے تو اُس کے وجود میں کتنی سرشاری کی لہریں پھیلتی ہیں۔اس کا اپنا ہی ایک لطف ہے.....''ارفع کا انداز اب کہ ذرا فلسفیانہ تھا۔

''مائی ڈیئر آسمانوں کی بلندیوں کا نشہ اپنی جگہ، لیکن زمین کی قدر کرو، ہر پستی میں گرنے والا اسی کی گود میں آکر گرتا ہے۔''خضر حیات سے بحث میں جیتنا کون سا آسان تھا۔

''تم اپنا لیکچر شام کو وہیں آکر دینا، اور ہاں اس دفعہ مجھے ''پیر سوہاوہ'' تک جانا ہے.....''ارفع نے اُسے خبردار کیا۔

''میرا خیال ہے محترمہ کہ میں اپنی وصیت بھی تعویز کی صورت میں گلے میں لٹکا کر ساتھ آجاتا ہوں، کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ میری موت انہی پہاڑوں پر آئے گی.....''خضر نے اُسے جذباتی کیا۔

''بندے کی اگر شکل اچھی ہو تو اُسے بات اُس سے بھی زیادہ اچھی کرنی چاہیے، خیر دفع کرو، ہم میریٹ میں ہی ڈنر کر لیتے ہیں.....''وہ

خلاف توقع جلدی ہار مان گئی تھی۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، تمہاری خاطر تو میں ہیلی کاپٹر پر ماؤنٹ ایورسٹ تک جا سکتا ہوں۔ بس خدارا شام میں لڑکیوں والے حلیے میں آنا، بہت عرصہ ہوا تمہیں انسانوں والے روپ میں دیکھے ہوئے۔'' وہ اُس کے جینز اور لونگ شرٹ والے حلیے سے سخت چڑتا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ شام میں سارہ کی وارڈ روب پر ڈاکہ مارنا پڑے گا....'' وہ اس بات سے بھی متفق ہو گئی تھی۔ خضر اُس کا میسج پڑھ کر حیران ہو گیا۔ وہ اپنے لباس، کام اور اسٹائل پر کسی کا کوئی بھی مشورہ اتنی آسانی سے نہیں مانتی تھی۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟؟؟؟'' خضر نے ایک اسمائلی کے ساتھ اُسے حیرت بھرا میسج بھیجا تھا۔

''نہیں یار، سخت گرمی لگ رہی ہے، اس لیے بہکی بہکی باتیں کر رہی ہوں، تم ٹینشن نہ لو، شام تک میں اپنی اصلی حالت میں واپس آ جاؤں گی....'' وہ اس کی نبض شناس تھی۔ اُس کا میسج پڑھ کر خضر کے منہ سے ایک بے ساختہ قہقہہ نمودار ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

''شکر ہے میں نے اپنے بچے کی شکل دیکھی، کہاں گم تھے تم....؟؟'' تائی اماں نے اس کے ماتھے کا بوسہ لیتے ہوئے انتہائی محبت سے کہا تھا۔ وہ ابھی ابھی صوفیہ ولا میں ارفع کو پک کرنے آیا تھا۔ اس وقت سب شام کی چائے پر لان میں اکٹھے تھے۔

''خیر ہے یہ اٹالین ٹوپیں، شائی لش پش کرتے جوتے اور پرفیوم کا بے دریغ استعمال کس خوشی میں کیا ہے؟ کہاں بمباری کرنے جا رہے ہو....؟'' تائی اماں کے بالکل سامنے بوگن ویلیا کی بیل کے پاس لان چیئر پر نیم دراز سارہ نے توصیفی نظروں سے اپنے ہینڈسم کزن کو دیکھا۔ اُس کا لہجہ شرارت میں ڈوبا ہوا تھا۔

''بھئی تمہاری بہن کے ساتھ کہاں کسی 'اور' پر بم گرانے کا موقع ملتا ہے۔ حشر نشر نہ کر دے میرا اور باز آیا میں ایسی حرکتوں سے....'' اس نے بڑی بے تکلفی سے سارہ کا چائے کا کپ پکڑ کر منہ کو لگا لیا تھا۔

''شرم کر لو، اپنی حرکتوں سے تو تم مر کر بھی باز نہیں آ سکتے....'' وہ جل کر بولی تھی۔ جب کہ ماما اس کی شرارت پر بے ساختہ ہنس رہی تھیں۔

''آپ ہی نے اسے شہہ دے دے کر سر پر چڑھا رکھا ہے....'' سارہ نے شکایتی نظروں سے ماما کی طرف دیکھا، جو اُس کے لیے بڑی محبت کے ساتھ خود ایک اور چائے کا کپ بنا رہی تھیں۔ وہ حقیقت میں ان کا لاڈلہ تھا۔ جن دنوں اُس کے ماں باپ اکٹھے پی ایچ ڈی کرنے انگلینڈ گئے تھے اُس وقت وہ صرف تین سال کا تھا اور اُس نے اپنے بچپن کے پانچ انتہائی قیمتی سال ماما کی گود میں ہی گذارے تھے۔ اس لیے وہ اپنی ممی کے ساتھ ساتھ صوفیہ بیگم کو ان کی بیٹیوں کی طرح ماما ہی کہتا آیا تھا۔ صوفیہ بیگم جو اس کی تائی لگتی تھیں اُن کی صرف چار بیٹیاں ہی تھیں۔ اس لیے وہ ان کا خاصا لاڈلہ تھا۔

''میں نے سنا ہے کہ اس سیزن میں تمہارے لان کے پرنٹس نے بڑے بڑے ڈیزائنرز کے چھکے اُڑا دیئے ہیں، فیشن کی انڈسٹری میں بڑے چرچے ہیں جناب کے....'' اُس نے ارفع کی تلاش میں دائیں بائیں دیکھتے ہوئے سارہ کو چھیڑا، جو اس کی ہم عمر تھی اور دونوں میں بلا کی بے تکلفی تھی۔

''ظاہر ہے کہ کزن اور بہن کس کی ہوں......'' سارہ نے اپنے فرضی کالر اوپر کیے۔ اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا کہ صوفیہ خاتون کی چاروں ہی بیٹیوں نے اپنے اپنے میدان میں خوب کامیابی کے جھنڈے گاڑے تھے۔ حالانکہ جب صوفیہ بیگم کے شوہر کا اچانک ہارٹ اٹیک سے انتقال ہوا اس وقت ان کی سب سے چھوٹی بیٹی ارفع صرف دس سال کی تھی۔ اب ان کی سب سے بڑی دو بیٹیاں جڑواں تھیں، جن میں عفیرہ ایک بہت اچھی ڈرماٹولوجسٹ ڈاکٹر تھیں کچھ عرصہ سے اٹلی میں مقیم تھیں ان کے میاں بھی پلاسٹک سرجن تھے۔ ان کے ساتھ کی امامہ کی شادی ایک پروڈیوسر کے ساتھ ہوئی تھی اور ان کا اپنا بھی رجحان شوبز کی طرف تھا آجکل دونوں میاں بیوی کی انٹرٹینمنٹ اور پروڈکشن ہاؤس کے زیر اہتمام بننے والے ڈرامے خاصے مشہور ہو رہے تھے، ان دونوں سے چھوٹی سارہ عزیز نے ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں باہر سے کافی کورسز کرنے کے بعد نہ صرف اپنی ٹیکسٹائل مل کو کامیابی کے ساتھ سنبھالا ہوا تھا بلکہ وہ فیشن انڈسٹری میں بہت تیزی سے ابھرتی ہوئی ڈیزائنر کے طور پر بھی مانی جا رہی تھی۔ اس کی بوتیکس اور فیشن شوز کا خوب چرچا تھا۔ اُس سے چھوٹی ارفع کا رجحان بھی شوبز کی طرف تھا لیکن وہ اپنی تمام تر توانائیاں بس ڈاکومنٹری فلمز کی طرف مرکوز کیے ہوئے تھی۔ ان کی والدہ خود بھی ایک کامیاب بزنس وومین کے طور پر جانی جاتی تھیں۔ وہ اپنی گارمنٹس فیکٹری کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ سارہ کا بھی خوب ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ اس کے علاوہ رفاہی کاموں کے سلسلے میں بھی وہ خاصی متحرک تھیں اور خواتین کے حوالے سے ایک تنظیم بھی چلا رہی تھیں۔

''تم آجکل کچھ زیادہ بولڈ ہو کر کام نہیں کر رہے ہو، ایسے ایسے خطرناک قسم کے جملے بولتے ہو کہ ماما کا بی پی کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔'' سارہ کو اچانک ہی یاد آیا تھا۔

''بیٹا ذرا سنبھل کر اور محتاط انداز میں کام کرتے ہیں، جن لوگوں کے خلاف روز بولتے ہو، وہ کوئی نقصان ہی نہ پہنچا دیں، میرا تو دل ہی دہلتا رہتا ہے......'' صوفیہ بیگم کے لہجے اور انداز میں اس کے لیے محبت اور شفقت کی فراوانی تھی۔ وہ ان کے میاں کے اکلوتے بھائی کی اکلوتی اولاد تھا۔ ان کے میاں کو اپنے اس بھتیجے سے خصوصی انسیت تھی۔

''بھئی ماما کو کس نے مشورہ دیا ہے کہ وہ ان فضول سیاسی پروگرامز کو دیکھ کر اپنا خون جلائیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ جو آن ایئر پروگرام میں ایک دوسرے کے جانی دشمن دکھائی دیتے ہیں، پروگرام کے اینڈ میں چائے پی کر خوب بے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے سے گپ شپ لگا رہے ہوتے ہیں۔ پاگل بناتے ہیں بس عوام کو......'' اُس کے لہجے میں دبا دبا سا غصہ تھا۔

''مجھے معلوم ہے بیٹا، لیکن تم پھر بھی ذرا احتیاط کیا کرو......'' اُسے ماما کی محبت پر کبھی بھی شک نہیں رہا تھا اس لیے مسکرا کر بولا۔

''دفع کریں ماما، آپ مومنہ آپی کی پروڈکشن ہاؤس کے رومینٹک سے اور ساس بہو کے جھگڑوں والے ڈرامے دیکھا کریں۔ یقین کریں ڈراموں میں اتنا رومانس دکھا رہی ہیں کہ میرے جیسے بندے کے کانوں سے دھوئیں نکلنے لگتے ہیں، تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ میں نے کل موحی آپی کو فون کر کے کہا تھا کہ کچھ خدا کا خوف کریں کیوں ٹین ایجز کا دماغ آپ لوگ خراب کر رہے ہیں، ایک تو سیل فون کے پیکجز نے آدھی نوجوان نسل کو تباہ کر دیا ہے باقی ان ڈراموں کے ذریعے آپ لوگ کر رہے ہو۔''

''یہ تو بہت اچھا کیا، میں خود موی سے کہتی رہتی ہوں کہ اچھی اصلاحی قسم کی کہانیوں پر صاف ستھرے ڈرامے بناؤ لیکن وہ کہتی ہے کہ ماما لوگ یہی دیکھنا چاہتے ہیں، حد ہوگئی ہے بھئی۔'' صوفیہ بیگم کے انداز میں خفگی کا عنصر نمایاں تھا۔ اس وقت بریزے چکن کے سنہری کلر کے سوٹ میں ان کی سفید اور شفاف رنگت دمک رہی تھی۔ وہ بے انتہا حسین خاتون تھیں۔ سارہ کو چھوڑ کر ان کی باقی تینوں بیٹیاں ان کا پرتو تھیں۔ اس عمر میں بھی ان کی شخصیت خاصی متاثر کن تھی۔ سارہ بھی جاذب نظر تھی لیکن اس میں باقی بہنوں جیسی بات نہیں تھی۔ ان تینوں کے سامنے وہ کچھ دب سی جاتی تھی، لیکن وہ باقی تینوں سے زیادہ پُراعتماد اور ذہین تھی۔ اس کا اعتراف تو سب ملنے جلنے والے کرتے تھے۔

''ماما کیا، کیا جائے یہ دور ہی ایسا ہے، زمانے کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔'' کباب کھاتے ہوئے سارہ نے مصروفیت میں جواب دیا۔

''واہ بیٹا، یہ بھی خوب کہی آپ نے، زمانہ کون سا آسمانی مخلوق نے آکر بسایا ہے، وہاں بھی آپ جیسی ذہنی مخلوق ہے، اور آپ بھیڑ بکریاں تھوڑی ہیں جن کو جو جہاں چاہے، ہانک کرلے جائے۔ بیٹا اپنی اخلاقی اقدار اور روایات کو خود زندہ رکھنا پڑتا ہے اور جو قوم ایسا نہیں کرتی وہ تاریخ کے اوراق پر عبرت کا نشان بن جاتی ہے۔'' صوفیہ بیگم کے ہاتھوں سارہ کی دھلائی پر خضر نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

''ماما کس کو عبرت کا نشان بنا رہی ہیں آپ......؟'' وہ اپنی رسٹ واچ کو باندھتے ہوئے بڑی عجلت میں باہر آئی تھی۔

ان تینوں نے چونک کر اُسے دیکھا، رائل بلیو لمبی قمیض کے ساتھ سفید چوڑی دار پاجامہ اور کولہاپوری چپل میں وہ آج نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔ آج خلافِ عادت ہلکا ہلکا میک اپ بھی کر رکھا تھا۔ پنک لپ گلوس، بلش آن اور بڑی مہارت کے ساتھ آئی لائنر کا استعمال بھی کر رکھا تھا۔ آنکھوں میں آج کاجل کا بھی بے دریغ استعمال کیا گیا تھا۔ اُس نے اپنے کمر تک آتے سلکی بالوں کو نیچے سے ہلکا سا رول کر رکھا تھا۔

''ماشاء اللہ بیٹا، اللہ نظرِ بد سے بچائے۔'' انہوں نے خضر کے بالکل پاس کھڑی اپنی نازک سی بیٹی کو محبت بھرے انداز سے دیکھا۔ یہ ہر لحاظ سے ایک پرفیکٹ کپل تھا۔

'' مبارک ہو ماما، آج آپ کی اس بیٹی نے بھی آخر کار ہاتھ منہ دھو ہی لیا، کون سا منتر پڑھ کہ پھونکا ہے خضر تم نے؟'' سارہ کے ذومعنی انداز اور شرارتی نظروں سے وہ دونوں سٹپٹائے۔

''توبہ ہے سارہ، ایسے نہ میری بیٹی کے پیچھے پڑ جایا کرو......'' ماما نے اُسے ٹوکا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''آپ کو یاد ہے ماما، اس نے آخری دفعہ شلوار قمیض سوٹ، موی آپی کی شادی پر پہنا تھا، آج سے کوئی تین سال پہلے۔''

''تمہیں کیا پرابلم ہے، میں پہنوں یا نہ پہنوں......؟'' وہ بری طرح تپی تھی۔

''مجھے ویسے تو کوئی پرابلم نہیں، ہاں جب لوگوں کو پتا چلتا ہے کہ ڈیزائنر سارہ عزیز کی بہن وہ اُول جلول والے حلیے والی ہے تب وہ میرے کام سے بہت مشکوک ہوتے ہیں۔ ویسے ارفع اچھی خاصی ہو، میرے نیکسٹ فیشن شو میں ماڈلنگ کیوں نہیں کرتیں......'' سارہ ایک دم جوش میں آئی، ارفع کو وہ اکثر و بیشتر اس طرح سے راضی کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی لیکن ارفع کو اس کام میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے وہ صاف انکار کر دیتی تھی۔

''یار کرلو ناں، میری بہت زبردست برائیڈل ڈریس کی کولیکشن سامنے آنے والی ہے، مجھے یقین ہے کہ تم سب دلہنوں کو مات دے دو گی۔''

سارہ نے اس کی منت کی۔

''جی نہیں ارفع، کسی کیٹ واک میں حصہ نہیں لے گی......'' خضر نے ایک دم ہی اس کی بات کاٹ کر عجلت میں کہا تھا۔ وہ ایک لمحے میں سنجیدہ ہوا تھا اس کے تیزی سے بدلتے تاثرات وہ تینوں ہی بُری طرح سے چونکیں تھیں۔ جس کلاس سے ان کا تعلق تھا وہاں یہ بالکل ایک عام سی بات تھی، خود مومنہ اور سارہ بھی اپنے فیشن شوز میں حصہ لے چکیں تھیں۔

''اس میں کیا ہرج ہے......؟؟؟'' سارہ کو اس کا یوں ٹوکنا بہت بُرا لگا تھا، لیکن وہ پھر بھی قدرے سنبھل کر بولی تھی۔

''ہرج کوئی نہیں ہے لیکن مجھے پسند نہیں کہ ارفع ایسی کسی کیٹ واک کا حصہ بنے۔'' سارہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات کی وجہ سے اس نے اپنا انداز قدرے ہلکا پھلکا رکھا۔ صوفیہ بیگم نے بھی بڑی سرعت سے خود پر قابو پایا تھا۔ ویسے بھی وہ خاصی مضبوط اعصاب کی حامل خاتون تھیں۔ وہ دانستہ خاموش تھیں۔

''کیوں؟ جب تم اپنے دوست حسن کی فارمل ڈریسز کے فیشن شو میں حصہ لے سکتے ہو تو ارفع اپنی سگی بہن کے لیے کام کیوں نہیں کر سکتی؟'' سارہ نے بڑی حیرت بھری ناگواری سے اپنے اس بہترین دوست کو دیکھا تھا جس کی شخصیت کا یہ رنگ اُس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات ارفع کی خاموشی تھی۔

''اُس کیٹ واک میں، میں نے مجبوراً حصہ لیا تھا، اس کے بعد میں کسی ایسی ایکٹویٹی کا حصہ نہیں بنا، اور جہاں تک بات ارفع کی ہے تو ساری دنیا جانتی ہے کہ میں اس کے معاملے میں کتنا حساس ہوں، لیکن پھر بھی اگر ارفع ایسا کرنا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' وہ ایک دم ہی جذباتی ہوا تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش میں ناراضگی کا عنصر صاف جھلک رہا تھا۔

''کیا فضول بحث کر رہی ہو سارہ، تمہیں ارفع کے مزاج کا علم نہیں، وہ کیوں تمہارے کسی فیشن شو میں حصہ لے گی۔ خضر بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے، ہے ناں ارفع......؟'' صوفیہ بیگم کے لہجے کی معنی خیزی اور اس میں موجود جواب کو ارفع نے بڑی تیزی سے سمجھا تھا۔ ارفع نے بڑی تیزی سے ماں اور بہن سے نظریں چرائیں تھیں۔

''کیا ہو گیا ہے خضر، تمہیں علم نہیں کہ مجھے ان فضول فیشن شوز اور کیٹ واک میں کوئی دلچسپی نہیں، پھر کیوں بحث کر رہے ہو، چلو اب نکلیں۔'' اُس کے لاپرواہانہ انداز پر صوفیہ بیگم کے چہرے پر بری فطری سے سکون کی لہر دوڑی تھی۔ اُس سے زیادہ تیزی سے سارہ کا رنگ پھیکا پڑا تھا۔ خضر نے اضطراب سے کھڑے کھڑے پہلو بدلا، وہ اب بہت غور سے سارہ کا چہرہ دیکھتے ہوئے دانستہ شرارت بھرے انداز سے بولا تھا۔

''واہ سارہ......! دیکھ لی تمہاری دوستی......!!!'' وہ اُس کے سامنے آکر کہہ رہا تھا اس کی بات پر سارہ کے چہرے کی رنگت لمحے بھر کو متغیر ہوئی۔ وہ ویسے بھی خاصی حساس لڑکی تھی اور کچھ اُسے ارفع اور خضر دونوں ہی سے بہت محبت تھی۔

''آئی ایم سوری یار......!!!'' خضر کو فوراً ہی اپنے کھدرے لہجے کا احساس ہو گیا تھا، وہ کچھ بے چین ہوا اور اگلے ہی لمحے وہ گھٹنوں کے بل

جھک گیا تھا۔صوفیہ بیگم کے حلق سے بڑی پرسکون سی سانس خارج ہوئی تھی۔

''خبردار تم نے اکیلے کبھی ارفع کو اپنے فیشن شو میں حصہ لینے کی دعوت دی، میں مر گیا ہوں کیا......''

''ابھی تو نہیں مرے لیکن دوبارا ایسے فضول ڈائیلاگ بولے تو میرے ہاتھوں شہید ضرور ہو جاؤ گے......'' سارہ نے اس کے کندھے پر زور دار مکہ مارا تھا۔

''اوئی اللہ، ماردیا ظالم لڑکی نے، اُف میرے کندے کی دو تین ہڈیاں تو ٹوٹ ہی گئی ہوں گی۔'' وہ مصنوعی تکلیف کے احساس سے دہرا ہو رہا تھا۔

''پورا ایکٹر ہے، آ لینے دو موی آپی کا فون، ان کے اگلے ڈرامے میں بکنگ کرواتی ہوں......'' سارہ نے دھمکی دی۔

''ایکٹنگ تو اس کی اپنے پروگرام میں بھی عروج پر ہوتی ہے، جب مختلف سیاستدانوں کو شہہ دے کر آپس میں لڑا رہا ہوتا ہے۔ ہر وقت ڈرامے نہ کیا کرو، سمجھے۔'' ارفع نے اس کا بازو پکڑا اور زبردستی کھینچ کر پورچ کی طرف بڑھ گئی۔ وہ دونوں اب بلند آواز میں ہنستے ہوئے گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔

''ماما یہ خضر کچھ عجیب سا نہیں لگا آج آپ کو......'' سارہ نے ان کی گاڑی کو باہر نکلتے ہوئے دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

''اس میں عجیب سی کیا بات ہے، وہ شروع سے ارفع کے معاملے میں اتنا ہی جذباتی اور کیئرنگ ہے، اور سچ بات ہے کہ مجھے اپنی بیٹی کے لیے اس کا یہ انداز اچھا لگتا ہے۔ وہ جتنی نازک سی ہے وہ بھی اسے پھولوں کی طرح ہی رکھتا ہے، سچ مانو ان دونوں کی طرف سے میں بہت بے فکر ہوں، بس اللہ نظر بد سے بچائے میرے سب بچوں کو...... ارفع سے صوفیہ بیگم کا خصوصی لگاؤ کسی سے بھی ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ اس بات کو ان کی باقی تین بیٹیاں اچھی طرح جانتی تھیں۔ ارفع سے خصوصی محبت کے حوالے سے اپنے ہونے والے داماد کا اس کے لیے اس قدر حساس ہونا ان کے لیے باعث تقویت تھا، لیکن اگر یہی حرکت مومنہ یا عفیرہ کا میاں کرتا تو وہ ان کی ٹھیک ٹھاک قسم کی کلاس لیتیں۔ وہ ایسی ہی تھیں دو ٹوک انداز میں بات کرنے والی، ان کا انداز اتنا حتمی ہوتا تھا کہ مدمقابل کو اپنے لیے کوئی گنجائش نکلتی ہوئی محسوس نہیں ہوتی تھی لیکن خضر کو وہ بہت رعایت دیتیں تھیں ایک تو اس سے انہیں ٹھیک ٹھاک قسم کی انسیت اور محبت تھی اور دوسرے ارفع کے حوالے سے وہ ان کے لیے اہم ترین تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا کر گول گول گھومتی ہوئی ایک معصوم سی بچی لگ رہی تھی۔ بارش اُس کی کمزوری تھی اور اسلام آباد کی پہاڑیوں سے اُسے عشق تھا۔ اس وقت وہ رات کی وجہ سے بارش کی بوندوں کو دیکھ تو نہیں سکتی تھی لیکن انہیں محسوس کرتے ہوئے ہوئے اس کے چہرے پر پھیلے خوبصورت رنگوں کو خضر حیات بہت آسانی سے پڑھ سکتا تھا۔ وہ دونوں ''منال'' ریسٹورنٹ کے نسبتاً سنسان گوشے میں بیٹھے آسمان سے گرتی بوندوں کو تسلسل سے گرتا دیکھ رہے تھے کہ اچانک ارفع نے اُٹھ کر بے اختیار بارش کو انجوائے کرنا شروع کر دیا تھا۔

''خضر بارش کی بوندیں کتنی خوبصورت ہوتی ہیں ناں......'' وہ کھلکھلائی۔

''ہاں، لیکن تم سے زیادہ خوبصورت دنیا کی کوئی چیز نہیں......'' اُس نے بازو سے پکڑ کر اسے سامنے والی چیئر پر بیٹھاتے ہوئے انتہائی جذب اور سچائی سے کہا۔ وہ چونکی۔ ایک دلکش سی مسکراہٹ نے اُس کے چہرے اک احاطہ کیا۔

''میں تمہیں دنیا کی سب سے خوبصورت چیز لگتی ہوں......'' وہ ایک ترنگ کے عالم میں سامنے بیٹھے حد درجہ ڈیشنگ بندے کو دیکھ رہی تھی جس کے سامنے اسے اپنا آپ کبھی بھی اہم نہیں لگا تھا۔ وہ کسی بھی لحاظ سے اس سے کم نہیں تھا۔ فینز میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ خود اس کو روزانہ آنے والی ای میلز پڑھتی تھی اور دل کھول کر ہنستی تھی۔ وہ دونوں بہت سالوں سے محبت کی مضبوط ڈور سے بندھے ہوئے تھے۔ اے لیولز کے بعد جب وہ پاکستان آیا تھا تب اس نے پہلی دفعہ اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ اُس کے بعد سے وہ دونوں ایک ان کہے معاہدے کی ڈور سے بندھے ہوئے تھے۔

''اس میں کوئی شک ہے کیا......؟؟؟'' خضر نے بے اختیاری اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھا تھا۔ ارفع جیسی پر اعتماد اور بولڈ لڑکی بھی ایک لمحے کو بلش کر گئی تھی۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے معاملے میں حد درجہ جذباتی تھے۔ دونوں کی دن میں کئی دفعہ لڑائی ہوتی لیکن اس کے باجود ان کا ایک دوسرے کے بغیر گذارا نہیں تھا۔ جن دنوں وہ آسٹریلیا اپنی اسٹڈی کے سلسلے میں گئی تھی ان دنوں بھی وہ کئی دفعہ وہاں کے چکر لگا آیا تھا۔ اُن کی روز اسکائی پی (skype) پر بات ہوتی تھی، ایک دوسرے کو دیے گئے کارڈز، پھول، اور گفٹس کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچ چکی تھی۔ وہ دونوں اپنی چھوٹی سی چھوٹی بات بھی ایک دوسرے سے کرنے کے عادی تھے۔ دونوں کی کئی سالوں سے روٹین تھی کہ وہ اپنے اپنے کاموں میں سے بھی ہفتے میں ایک دن ایک دوسرے کے لیے ضرور ٹائم نکالتے تھے۔

''کیا ہوا سردی لگ رہی کیا......؟؟؟'' اُسے ٹھٹھرتے ہوئے دیکھ کر خضر مسکرایا۔ وہ دونوں اب چلتے ہوئے ریلنگ کے پاس آ گئے تھے۔ سامنے روشنیوں کا سمندر بنا ہوا اسلام آباد بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔

''دیکھو خضر ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی نے سینکڑوں ننھے ننھے دیے جلا کر رکھ دیے ہوں۔ ہے ناں......؟؟؟'' اس کی آنکھوں میں اتنی روشنی تھی کہ خضر کے لیے اپنی نظریں ہٹانا مشکل ہو گیا تھا۔ پس منظر میں اس ریسٹورنٹ کے سنگر کی آواز بہت بھلی لگ رہی تھی۔ اس نے راحت فتح علی خان کا ''نیناں ٹھگ لیں گے......'' شروع کر دیا تھا۔ وہ دونوں اس گانے کے بولوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

''اوئے تمہاری جوڑی پھر یہاں پہنچ گئی ہے، بابا، جان چھوڑ دو اس کی......!!!'' نتاشا کی آواز پر وہ دونوں بُری طرح اچھلے۔ جو ان کے سامنے کھڑی کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

''خدا کا خوف کرو، نتاشا تم کہاں سے ہر جگہ ٹپک پڑتی ہو......'' ارفع نے اپنے بُری طرح ڈولتے ہوئے دل کو بمشکل سنبھالتے ہوئے اُسے گھورا تھا جو سارے زمانے کی شرارت اپنے چہرے پر سجائے کھڑی تھی۔ وہ ارفع کی بہترین دوست تھی ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کرنے کے بعد وہ ایک انگلش اخبار سے وابستہ تھی۔

''یار معید کمینے کے ساتھ آئی تھی، لیکن اسے اپنی کوئی پرانی گرل فرینڈ نظر آ گئی اور جو تمہاری طرح خوبصورت بھی ہے بس وہ وہیں اس کو بیٹھا پٹا رہا ہے اور میں چونکہ سچ کی علمبردار ہوں، اتنا جھوٹ برداشت نہیں کر سکتی اس لیے ٹہلنے کے لیے یہاں آ گئی۔'' اس نے بے تکلفی سے اپنے

ماموں زاد کزن کے بارے میں بتایا جو اس کے ساتھ ہی اخبار کے لیے انوسٹیگیٹنگ رپورٹنگ کرتا تھا اور خضر کا بھی ایک اچھا دوست تھا۔

''اچھا، ارفع کی طرح خوبصورت ہے تو میں بھی معید کے ساتھ لائن مار کر آتا ہوں......'' خضر نے شوخی سے کہا تھا۔

''خیر ارفع جیسا تو کوئی بھی نہیں ہو سکتا......'' وہ بے ساختہ بولی تھی۔ نتاشا سے بڑھ کر ارفع کا کوئی مداح اور خیر خواہ نہیں ہو سکتا، یہ خضر کا بالکل درست تجزیہ تھا۔ ارفع اس کی بات پر ہنس پڑی تھی۔

''تم لوگ ایک دوسرے کو کمپنی دو مجھے خاور سامنے میز پر کچھ دوستوں کے ساتھ نظر آ رہا ہے، میں ذرا ان سے مل کر آتا ہوں......'' خضر بھی اپنے دوستوں کو دیکھ کر بے تاب ہوا، وہ وہاں سے لپکا ہی تھا کہ راستے میں لڑکیوں کے ایک گروپ نے اُسے گھیر لیا تھا۔ وہ شاید اسے پہچان چکی تھیں۔

''ارفع تمہیں ڈر نہیں لگتا......؟؟'' نتاشا نے اسکی نظروں کے تعاقب میں دیکھا جہاں خضر راجا اندر بنا کھڑا ہنس رہا تھا۔

''ڈر کس بات کا......؟؟؟'' ارفع نے خضر سے نظریں ہٹا کر حیرت سے اپنی اس پر خلوص سی دوست کو دیکھا۔

''بھئی۔ خضر کے حوالے سے...... دیکھو ناں وہ میڈیا سے تعلق رکھتا ہے اور ڈیشنگ پرسنالٹی کا حامل ہے، میں نے اکثر دیکھا ہے کہ مختلف فنکشنز میں لڑکیاں اس کے گرد منڈلا رہی ہوتی ہیں......''

''ہاں تو اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے......؟'' وہ نتاشا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی میز کی طرف لے آئی تھی۔ اس کا لہجہ انتہائی سادہ تھا۔ نتاشا کو اس کے اطمینان بھرے انداز پر رشک آیا تھا۔

''بہت معصوم ہو تم ارفع، اور دنیا بہت تیز، تم خضر کو منع کیا کرو کہ لڑکیوں کو اتنا منہ نہ لگایا کرے......'' نتاشا کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اسے کس طرح سمجھائے۔

''کم آن نتاشا، ڈونٹ بی سلی، مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ایک تو مجھے خضر پر اپنی ذات سے بڑھ کر اعتماد ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ جو میں ہوں، وہ بس میں ہوں، کیا خضر کو مجھ سے بڑھ کر کوئی اور مل سکتی ہے......'' وہ خاصی خود شناس تھی۔ نتاشا نے چونک کر اس کے بے داغ حسن کو دیکھا۔ اس کی خوبصورتی کو اس کے پر اعتماد انداز نے چار چاند لگا رکھے تھے۔ نتاشا نے متفق انداز سے اپنے کندھے جھٹکے۔ وہ اس سے سو فیصد متفق تھی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو یار، حسن میں بڑی طاقت ہے، یہ تو کھل جا سم سم کا ایک جادوئی اسم ہے......'' نتاشا کے لہجے میں حسرت، بے بسی اور تلخی کا عنصر نمایاں تھا۔ وہ عام سے خدوخال کی حامل ایک انتہائی عام سی لڑکی تھی۔ وہ بلا کی ذہین اور کونفیڈنٹ تھی لیکن اپنی شخصیت کے حوالے سے اسے کافی کمپلیکسز تھے۔ اس کا اندازہ اُس کی باتوں سے اکثر ہوتا تھا ہر دفعہ وہ ان باتوں پر ارفع سے جھاڑ کھاتی تھی لیکن یہ ایک اس کی ایسی خامی تھی جس پر وہ چاہتے ہوئے بھی قابو نہیں پا سکتی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے نتاشا، خوبصورتی ہمیشہ کامیابی کی دلیل نہیں ہوتی۔ تم دیکھو شوبز میں کتنی خوبصورت مگر ڈفر لڑکیاں آتی ہیں جو ایک دو دفعہ کے بعد پھر نظر نہیں آتیں۔'' وہ کافی کا آرڈر دے کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''لیکن یار تم مانو یا نہ مانو حسن ایک بذات خود ارزاں سفارش ہے، جس سے بہت سے کام ہو جاتے ہیں، ان لڑکیوں کو شوبز میں آنے کا

موقع تو ملا نہ، اب دیکھو کتنا ٹیلنٹ صرف اس چیز کہ نہ ہونے کی وجہ سے رل رہا ہے، کون دے گا انہیں ایک چانس......؟؟؟'' وہ تھوڑا سا تلخ ہوئی۔

''سارے لوگ ایسے نہیں ہوتے نتاشا......'' ارفع نے تاسف بھرے انداز سے اس کے چہرے کو دیکھا جو تلخی کے احساس کے ساتھ اور بھی عام سا لگ رہا تھا۔

''زیادہ تر لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں مائی ڈیئر، اب تم اس معید کو دیکھ لو، ویسے ساری دنیا میں اپنی اور میری دوستی کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے، مجھ سے اپنے آفس کے ڈھیروں کام کروا لیتا ہے، لیکن جہاں کوئی اچھی صورت دیکھتا ہے پھسل جاتا ہے پھر اس کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ میں اس کے ساتھ ہوں، اب دیکھ لو میں پچھلے آدھے گھنٹے سے تمہارے ساتھ ہوں، اُسے پچھلے تیس منٹوں میں تیس سیکنڈ کے لیے بھی میرا خیال نہیں آیا ہوگا۔ تم لکھ لو، جب وہ لڑکی چلی جائے گی وہ تب سوچے گا کہ میں کہاں گئی......''؟ اُس کے لہجے میں بس تلخی ہی تلخی تھی۔ ارفع اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''لیکن دیکھ لو وہ جہاں بھی جاتا ہے، آتا تمہارے ہی پاس ہے......'' ارفع نے دانستہ اسے چھیڑا۔ اُسے علم تھا کہ وہ معید کے لیے کتنی حساس ہے اور خاص قسم کے احساسات اس کے لیے رکھتی ہے۔ جب کہ وہ ان معاملات میں خاصا لاپرواہ تھا۔

''تم نے کھانا کھایا ہے کہ نہیں......؟'' کافی کا مگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ارفع نے یونہی پوچھا تھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس کی بات پر ارفع نے قدرے ناراض انداز سے اُسے دیکھا۔ ''بہت ڈفر ہو تم، بتایا کیوں نہیں، یہ کافی کا مگ رکھو، میں کھانا منگواتی ہوں......''

''نتاشا، مار کھاؤ گی مجھ سے......'' اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ارفع نے اسے دھمکی دی۔

''یار دیکھو، اسے احساس تک نہیں کہ ہم کھانا کھانے آئیں ہیں، وہ اس وقت مزے سے اس ماڈل گرل کے ساتھ ڈنر اڑا رہا ہوگا......''

''ایسے بدگمان نہیں ہوتے، وہ پاگل تھوڑی ہے جب تمہارے ساتھ کھانا کھانے آیا ہے تو تمہارے ساتھ ہی کھائے گا ناں، اس کو تو اس نے کافی یا چائے پر ٹرخا دیا ہوگا۔'' ارفع نے اُسے تسلی دی۔

''تم سے زیادہ جانتی ہوں میں اسے، پانچ سال پرانا تعلق ہے ہمارا......'' اس نے ٹشو سے آنکھیں صاف کیں۔

''ایسے ہی ہر وقت منفی باتیں نہ سوچا کرو، کیا ہو گیا ہے نتاشا تمہیں......؟'' ارفع نے اسے محبت بھرے انداز سے ڈپٹا۔ اسی وقت خضر وہاں چلا آیا۔

''تم ٹھیک کہہ رہیں تھیں نتاشا، وہ واقعی ایک آفت چیز کو پٹا رہا ہے، بہت ہی کمینہ ہے یہ معید......'' خضر نے ارفع کے ہاتھ سے کافی کا مگ پکڑ کر اپنے منہ سے لگایا اور پھر گردن کو خم دے کر انتہائی عزت و احترام سے اُسے واپس کر دیا۔ ''اب پیو، یقین کرو اس میں محبت کی چاشنی شامل کر دی ہے میں نے۔''

''وہ ابھی تک فارغ نہیں ہوا اُس لڑکی سے......'' ارفع نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''لو وہ اور فارغ......؟ خضر ہنسا۔ ''وہ تو اس کے ساتھ مزے سے ڈنر اڑا رہا ہے، دنیا جہان کی چیزیں اس ہیلن آف ٹرائے کے سامنے سجا

رکھی ہیں، مجھے تو لگتا ہے گھر تک چھوڑنے جائے گا۔''

''اب بتاؤ ارفع......؟؟؟'' نتاشا نے جن نظروں سے اُسے دیکھا تھا وہ ڈھیروں خفت کا شکار ہوئی۔ جب کہ نتاشا کا چہرہ اس اطلاع کے ساتھ بالکل دھواں دھواں سا ہو گیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھی، اور پارکنگ کی طرف بڑھی، وہ تیز تیز قدم اٹھا کر جا رہی تھی......

''اسے کیا ہوا......؟'' خضر نے اس کی آنکھوں میں ابھی ابھی آنسو دیکھے تھے۔ وہ سخت حیرت کا شکار ہوا تھا۔''ارفع، یہ نتاشا کو کیا ہوا......؟''

''اُسے تو کچھ نہیں ہوا لیکن مجھے لگتا ہے کہ معید کا دماغ خراب ہو گیا ہے......''

''وہ کیسے......؟؟''

''نتاشا کو ڈنر پہ لے کر آیا تھا اور اب کھانا کسی اور کے ساتھ کھا رہا ہے۔''

''سو سیڈ یار......!!! خضر کو دھچکا لگا تھا''یہ تو سخت زیادتی ہے یار......'' اُسے حقیقتاً افسوس ہوا تھا۔ ارفع کے حوالے سے نتاشا کو خضر بھی خصوصی اہمیت دیتا تھا پھر معید کے ساتھ بھی اس کی اچھی دوستی تھی۔

''یار یہ مرد حسن دیکھ کر کیوں پھسل جاتے ہیں......؟'' ارفع رنجیدہ ہوئی۔

''ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا، محبت ان چیزوں سے بے نیاز ہوتی ہے، یقین کرو اگر مجھے نتاشا سے محبت ہوتی اور تم میرے سامنے آ جاتیں تو مجھے کبھی تم میں کشش محسوس نہ ہوتی۔'' وہ صاف گوئی سے کہہ رہا تھا۔

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں، مرد اتنا مضبوط نہیں ہوتا وہ سب سے پہلے لڑکی کی خوبصورتی پر ہی پھسلتا ہے، یہ محبت وحبت تو بہت بعد کی چیز ہے......'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی تو خضر نے تاسف بھرے انداز سے اُسے دیکھا، جو کہہ رہی تھی۔ ''تمہیں پتا ہے کہ میں نے کسی افسانے میں پڑھا تھا کہ ''ایک حسین عورت کی جو حرکت ہے، وہ ایک نطق موسیقی ہے، حسن کا ساز نسائیت ہے، وہ ہاتھ ہلاتی ہے تو گویا ہوا میں نقش ترنم بنا دیتی ہے، وہ چلتی ہے اور اپنے پیروں سے زمین پر نشان موسیقی چھوڑ جاتی ہے'' وہ بات کرتے کرتے لمحے بھر کو رکی۔ ''اب بتاؤ مرد پھر پاگل نہ ہو تو کیا ہو......؟''

''نتاشا پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، اور حسن ہی محبت کی پہلی سیڑھی نہیں ہوتا، اگر ایسا ہوتا تو لیلیٰ سے مجنوں کو محبت نہ ہوتی، بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں، میں سب گنوا سکتا ہوں۔'' وہ سنجیدہ ہوا۔

''مثالیں کتنی ہوں گی خضر؟ یہی کچھ چند سو یا پھر چند ہزار......؟؟؟'' ہے ناں''؟ وہ زہرخند انداز میں بولی۔

''تم اتنا اوور ری ایکٹ کیوں کر رہی ہو ارفع؟ میں نے تو ایسا کچھ نہیں کیا، پھر تم اپنی شام کیوں برباد کر رہی ہو......؟'' وہ تھوڑا سا غصے میں آیا۔

''میں تمہاری شام برباد کر رہی ہوں، میں؟'' وہ نہ جانے کیوں اتنی حساس ہو رہی تھی۔

''تم میری بات کا غلط مطلب لے رہی ہو، تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ میرا کیا مطلب تھا۔ میں مانتا ہوں کہ نتاشا تمہاری دوست ہے اور جو اس کے ساتھ ہوا مجھے اس کا افسوس ہے، لیکن اس میں بھی برا نہ ماننا، نتاشا کا اپنا قصور ہے، وہ معید کی عادتوں سے اچھی طرح واقف ہے، اور اس

نے کوئی پہلی دفعہ اس کے ساتھ ایسا نہیں کیا۔ وہ کیوں نہیں اُسے چھوڑ دیتی۔؟'' خضر نے آج صاف گوئی کی انتہا کر دی تھی۔ ارفع کو اس کی بات سے سخت صدمہ ہوا تھا۔

''وہ کیسے اُسے چھوڑ سکتی ہے؟ وہ اس سے محبت کرتی ہے خضر......''

''محبت کرتی ہے تو پھر اس کی عادتوں سے بھی سمجھوتہ کرے......'' وہ قدرے اونچی آواز میں بولا تھا۔

''محبت میں سمجھوتے نہیں ہوتے خضر، محبت اگر سمجھوتے کی راہ پر چل نکلے تو محبت نہیں رہتی۔'' وہ بولی نہیں بھڑکی تھی۔

''یہ اچھی منطق ہے، اگر محبت میں سمجھوتے نہیں ہوتے تو کیا نفرت میں ہوتے ہیں؟ اگر کسی تعلق کو قائم ہی رکھنا آپ کی مجبوری ہے تو سمجھوتے کی ڈور کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں جو آپ کو باندھ سکے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ جب آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو اس کی خوبیوں اور خامیوں سمیت کریں، آج کے دور میں کوئی فرشتہ نہیں ہوتا، ہم اگر کسی سے محبت کرتے ہیں تو ہمیں اس چیز کا پرمٹ نہیں مل جاتا کہ ہم اس شخص کو ویسا بنا دیں جیسا کہ ہم اُسے دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''محبت کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انسان اپنی عزت نفس کو اُٹھا کر طاق پر رکھ دے......'' ارفع کو شدید غصہ آرہا تھا۔

''مائی ڈیئر اپنی عزت نفس کو کسی شخص کے لیے کچلنا ہی محبت ہے، جہاں ''میں'' آجاتی ہے وہاں سے محبت رخصت ہو جاتی ہے۔'' وہ تھوڑا سا دھیما ہوا۔

''میں تو ایسی محبت کو اٹھا کر گلی میں پھینک دوں جو میری عزت نفس کو کچل دے، میرے لیے یہ زیادہ آسان ہے کہ میں اس محبت کو ہی ختم کر دوں......'' اس کے لہجے میں اس قدر زہر تھا کہ خضر کچھ لمحوں تک بول ہی نہ سکا۔

''جو محبت ٹیوب لائیٹ کے بٹن کی طرح ہو، جسے جب چاہو روشن کر لو، جب چاہو آف کر لو، وہ سب کچھ ہو سکتی ہے لیکن ''محبت'' نہیں......'' خضر نے بحث کا اختتام کیے اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ان کی آج کی ملاقات بھی حسب معمول ایک لڑائی پر ہی اختتام پذیر ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

''ہائے سویٹ ہارٹ......!!!'' پورے بیس دن بعد نتاشا اچانک ہی اس کے اسٹوڈیو میں آگئی تھی۔ وہ جو ایڈیٹنگ روم میں اپنی ڈاکومنٹری کے ناپسندیدہ حصے حذف کرنے میں بری طرح مگن تھی۔ نتاشا کی جاندار آواز نے اس کے اندر ایک پرسکون سی برقی لہر دوڑا دی تھی۔ پچھلے بیس دنوں سے اس نے کئی دفعہ اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا سیل فون مسلسل آف جا رہا تھا۔ آج بلیک جینز پر گلابی کرتا پہنے وہ اچانک ہی آگئی تھی۔ ارفع کو حقیقتاً اسے دیکھ کر خوشی ہوئی تھی وہ خاصی تر و تازہ لگ رہی تھی۔

''تم زندہ ہو......؟'' ارفع ایڈیٹنگ کا کام ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ جو بے تکلفی سامنے رکھے صوفے پر براجمان تھی اور بڑی دلچسپی سے سامنے دیوار پر لگی ایل سی ڈی پر اس کی نئی ڈاکومنٹری فلم کے مناظر دیکھ رہی تھی۔

''ہاں نہ صرف زندہ ہوں بلکہ اچھی خاصی ہٹی کٹی ہوں......'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسی تھی لیکن ارفع نے سیکنڈوں میں اس کے قہقہے کے کھوکھلے پن کو

محسوس کیا تھا۔

''کہاں روپوش ہو گئیں تھیں تم، میں نے تمہاری تلاش میں کنوؤں تک میں بانس ڈلوا دیے تھے.....'' ارفع کے فکرمند انداز پر وہ ایک دفعہ پھر ہنسی۔

''خدا کے واسطے نتاشا، کم از کم میرے سامنے ایسے مت ہنسا کرو.....'' ارفع نے باقاعدہ اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ وہ ایک دم ہی چپ ہو گئی تھی۔ ''میں نے معید گھامڑ کو بھی فون کیا لیکن وہ بھی تمہاری طرف سے لاعلمی کا اظہار کر رہا تھا، ویسے تو وہ دنیا جہاں کا جھوٹا ہے لیکن مجھے اس وقت یہ ہی لگا کہ وہ سچ بول رہا ہے۔''

''میں فاروق بھائی کے پاس دوبئی چلی گئی تھی.....'' اس نے اپنے سب سے بڑے بھائی کا بتایا جو کافی سالوں سے اپنے بیوی بچوں سمیت وہیں شفٹ تھے۔

''اس اچانک دورے کی کوئی خاص وجہ.....؟؟'' ارفع نے اس کے سپاٹ چہرے کو کھوجنے کی ناکام کوشش کی۔

''ایسے ہی رمشا، اور فضا لوگ خاصے اداس ہو رہے تھے۔ بھائی کا فون آیا تو میں نے سوچا کہ میں ہی چکر لگا آتی ہوں۔'' اس نے ارفع کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور پھر اس کی توجہ دوسری جانب مبذول کروانے کے لیے ہشاش بشاش انداز میں بولی ''یہ تمہارا جمیز بانڈ کہاں افغانستان کی سرحدوں پر گھومتا پھر رہا ہے.....'' اس نے خضر کا تذکرہ کیا جو پچھلے ایک ہفتے سے ایک اسائنمنٹ کے چکر میں گھن چکر بنا ہوا تھا۔

''ویسے تم دوبئی میں تھیں اور پاکستان کی سب خبریں تمہیں پتا ہیں۔'' ارفع کے جل کر بولنے پر نتاشا نے خوشدلی سے قہقہہ لگایا تھا۔ ''ہم جن سے محبت کرتے ہیں ان کے بارے میں سب خبریں رکھتے ہیں جناب۔''

''بڑی مہربانی جناب کی۔'' ارفع احسان کرنے والے انداز میں بولی اور الیکٹرک کیٹل پر چائے کا پانی رکھنے لگی۔ ''ویسے تم نے اچھا خاصا اسٹوڈیو بنا لیا ہے یار۔'' نتاشا نے توصیفی نظروں سے چاروں جانب دیکھا۔ وہ کافی عرصے بعد اس کے اسٹوڈیو میں آئی تھی جو اس نے اپنے گھر کی انیکسی میں بنا رکھا تھا۔ ''یہ تمہاری یاجوج ماجوج کی قوم نظر نہیں آ رہی.....'' نتاشا نے اس کے دونوں اسسٹنٹس کے بارے میں پوچھا تھا۔

''وہ دونوں کچھ میٹریل خریدنے کے لیے مارکیٹ تک گئے ہیں، تم سناؤ کب آئیں پاکستان؟'' ارفع خاصے مصروف انداز میں بولی تھی اس نے الیکٹرک کیٹل کا بٹن بند کر دیا تھا۔

''میں رات ہی پہنچی ہوں اسلام آباد۔''

''ہوں..... یہ تمہیں آفس سے اتنی لمبی چھٹی کیسے مل گئی یار، تمہارا باس تو بہت خرانٹ سا نہیں ہے اس معاملے میں، مجھے معید بتا رہا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی برات والے دن بھی آفس آ بیٹھا تھا اور ایک گھنٹہ پہلے ہی چھٹی کر کے گیا تھا۔''

''یہ معید نے تمہارے ساتھ اتنی باتیں کرنا کب سے شروع کر دی ہیں.....'' نتاشا نے اسے ہلکے پھلکے انداز سے کہا تھا وہ جو گرم پانی کپوں میں انڈیل رہی تھی، چونک گئی۔

''یار جناح سپر میں ملا تھا مجھے کچھ دن پہلے.....'' اس نے دانستہ اُسے نہیں بتایا کہ وہ اس دن بھی کسی لڑکی کے ساتھ تھا۔ وہ اُسے ہرٹ کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''ہاں وہ ایسا ہی ہے، لیکن معید نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ میں جاب سے ریزائن کر کے گئی ہوں.....'' اس کے اس انکشاف پر ارفع کپ میں چینی ڈالنا بھول گئی۔ سخت حیرت سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ''تم نے جاب سے ریزائن کر دیا نتاشا، اور مجھے بتایا تک نہیں۔'' وہ سخت بے یقین تھی کیونکہ نتاشا ایسی لڑکی تھی جسے اس سے ہر بات شیئر کرنے کی بہت پرانی عادت تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اسے اس نیوز پیپر میں جاب کرنے کا کتنا جنون تھا۔

''بس یار تھک گئی تھی، سوچا کہ کچھ بریک لیا جائے.....'' اس نے ٹانگیں پھیلا کر سستی سے کہا۔

''تو بریک لینے کے لیے جاب چھوڑنا ضروری تھا کیا.....؟'' ارفع نے کڑے تیوروں سے اُسے گھورا، جس کی ذہنی حالت اسے کچھ اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

''معید نے تمہیں کچھ نہیں کہا.....؟'' وہ اب خشک دودھ کپوں میں ڈالتے ہوئے تعجب سے پوچھ رہی تھی۔

''وہ مجھے کیوں کچھ کہے گا.....؟'' اس نے بے زاری سے الٹا سوال کیا تو ارفع کو یقین ہو گیا کہ وہ ٹھیک نہیں ہے۔ ''تمہاری معید کے ساتھ صلح نہیں ہوئی کیا ابھی تک.....؟''

''ہماری لڑائی کب تھی مائی ڈیئر.....؟'' وہ اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے زبردستی مسکرائی تھی۔ ''تم چھوڑو ان سب باتوں کو یہ بتاؤ کہ تم اور خضر کب شادی کر رہے ہو، قسم سے بہت دنوں سے شادی کا کھانا نہیں کھایا۔''

ارفع کی تیوری چڑھ گئی ''تم مجھے وہ بات بتاؤ جو تم مجھ سے چھپا رہی ہو۔؟''

''کم آن ارفع، میری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے تمہارے سامنے، اور تم مجھے کتنی عزیز ہو اس چیز کا تمہیں بخوبی اندازہ ہے میں تم سے کیسے کچھ چھپا سکتی ہوں۔'' نتاشا نے ایسے مکھی اڑائی جیسے اس کی بات کو بھی اڑا رہی ہو۔

''اگر میں تمہیں عزیز ہوں تو تم میرے لیے کیا ہو؟ یا مجھے تم سے کتنی محبت ہے؟ کیا مجھے یہ سب دہرانے کی ضرورت ہے نتاشا.....؟'' اس کے لہجے میں کچھ تھا جو نتاشا نے بے اختیار نظر چرائی تھی۔ ''تمہاری رگ رگ سے میں واقف ہوں، کیا چیز تمہیں خوش کرتی ہے اور کس سے تم ہرٹ ہوتی ہو مجھے سب ایسے ازبر ہے کہ کبھی کبھی خضر بھی حیران ہو جاتا ہے۔''

''خضر مجھ سے جیلس نہیں ہوتا.....؟'' وہ بہت عجیب سے لہجے میں بولی تھی۔

''وہ تم سے کیوں جیلس ہوگا، وہ بہت لونگ ہے اور ان تمام رشتوں اور چیزوں سے محبت کرتا ہے جو مجھے خوش کرتی ہیں۔'' اس کے انداز میں اندھا اعتماد اور مان تھا۔

''وہ تم سے محبت کرتا ہے ناں اس لیے، اصل میں کچھ لوگوں کی محبت کا ظرف بہت بڑا ہوتا ہے، کچھ میرے جیسے چھوٹے دل اور چھوٹے ظرف کے بھی لوگ ہوتے ہیں جو اپنے محبوب کو چھونے والی ہواؤں تک سے بھی لڑنے لگتے ہیں۔'' وہ خاصی رنجیدہ تھی ارفع کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

''محبت کا تو مجھے پتا نہیں لیکن وہ میری بہت کیئر کرتا ہے اس کا مجھے بخوبی اندازہ ہے۔'' وہ بہت دلکشی سے مسکرائی تھی۔

''اگر خضر تمہیں چھوڑ کر کسی اور کی کیئر کرنے لگے تو تم کیا کرو گی۔''؟ اسکے انتہائی عجیب سوال پر بھی ارفع کے چہرے پر وہ ہی ازلی سکون کی کیفیت طاری تھی۔ ''خضر مجھے چھوڑ کر کسی اور کی کیئر نہیں کر سکتا۔'' نتاشا کو بے اختیار اس پر رشک آیا تھا۔ ''ظاہر ہے تم جیسی حسین لڑکی اُسے کہاں دوبارا مل سکتی ہے۔؟''

''میں اگر حسین و جمیل نہ بھی ہوتی تو تب خضر مجھ سے ایسے ہی محبت کرتا۔۔۔۔'' ارفع کی بات پر نتاشا تھوڑا سا الجھی۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے یار، حسن مرد کی پہلی ترجیح ہوتا ہے۔'' اس کا وہ ہی پرانا احساس کمتری ایک دفعہ پھر پوری قوت سے بیدار ہوا تھا اس نے سامنے دیوار پر لگے بلند قامت شیشے میں اپنا اور ارفع کا عکس دیکھا۔ وہ اس وقت ہلکے گلابی رنگ رنگ کے سوٹ میں ایک مہکتا ہوا گلاب لگ رہی تھی۔ اس کے مدمقابل نتاشا کی اپنی شخصیت بالکل ماند پڑ گئی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے، زرد چہرہ، چھوٹی چھوٹی سی آنکھیں اور غیر متناسب ناک، کچھ بھی تو متاثر کن نہیں تھا۔ اس کا قد خاصا لمبا تھا لیکن جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ، وہ حد درجہ کمزور تھی۔ اپنے قد کے لحاظ سے اس کا وزن بھی خاصا کم تھا۔

''تم ساری فضول بحث کو چھوڑو، یہ بتاؤ کہ تم اب کیا کرو گی؟'' ارفع نے انتہائی محبت سے اپنی سب سے عزیز دوست کا چہرہ دیکھا تھا۔ جو کم از کم اسے بہت پیارا تھا۔ وہ اس کے فکر مند لہجے پر مسکرائی۔

''یار تمہاری دوست لاکھ عام ہی ہو لیکن اس نے صحافت کی دنیا میں بہت خاص کام کیا ہے، میرے ریزلٹ کی خبر جیسے ہی پھیلی، بہت سے اچھے اداروں سے مزید آفر آ گئی، لیکن میں اب کچھ بریک لینا چاہتی ہوں، پچھلے کئی سالوں سے پاگلوں کی طرح کام کیا ہے، کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ وہ میرا ویٹ کر سکتے ہیں۔ اس لیے ایک آدھ ماہ کے بعد کسی نہ کسی بہتر آپشن کو جوائن کر لوں گی۔'' وہ خاصی مطمئن تھی۔

''دیٹس گریٹ یار۔۔۔۔!!!'' ارفع بھی خوش دلی سے مسکرائی۔

''اب تم بتاؤ کہ تم لوگ کب شادی کر رہے ہو۔۔۔۔؟''

''یار آج تمہاری سوئی ہماری شادی پر کیوں اٹک گئی ہے۔۔۔۔؟'' وہ حیران ہوئی۔

''اچھے اور خوبصورت تعلق کو کوئی نہ کوئی نام دے دینا چاہیے، بے نام رشتوں کی وقعت وقت کے ساتھ ساتھ کم ہو جاتی ہے۔'' وہ آجکل ضرورت سے زائد ہی فلسفہ بولنے لگی تھی۔

''یار خضر کی بھی یہ ہی خواہش ہے لیکن کچھ مسلے مسائل ہیں ایک تو وہ اپنا گھر بنوا رہا ہے، اوپر سے عنیزہ آپی اور ان کے میاں دوبارا اٹلی چلے گئے ہیں، پھر ماما سنجیدگی سے سارا کے لیے کسی بہتر پرپوزل کی تلاش

میں ہیں وہ ان کی خواہش ہے کہ ایک دفعہ ہی دونوں کو بھگتا لیں، بس مزید کچھ پانچ چھ ماہ ہی لگیں گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنے بالوں کو کھول کر اب برش کر رہی تھی۔

''کیسا گھر بنوا رہا ہے خضر۔۔۔۔۔؟؟؟'' نتاشا نے اشتیاق سے پوچھا۔

''یار گھر تو حیات انکل نے اپنی زندگی میں ہی شروع کروا دیا تھا اور وہ اور آنٹی اسی سلسلے میں پاکستان آئے تھے جب کراچی سے آتے

ہوئے مارگلہ کی پہاڑیوں سے ٹکرانے والے جہاز میں ان دونوں کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد سے گھر کی تعمیر روک دی تھی کیونکہ خضر بہت زیادہ اپ سیٹ تھا، پھر وہ بھی انگلینڈ چھوڑ کر یہاں شفٹ ہوگیا۔ اب جب سے شادی کا پلان کیا ہے تب سے گھر کی کنسٹرکشن دوبارا اسٹارٹ کی ہے۔''

''خضر کا ننھیال کہاں ہوتا ہے......؟'' نتاشا نے یونہی پوچھا تھا۔

''اس کی ایک خالہ اور ایک ماموں ہی ہیں، خالہ انگلینڈ میں اور ماموں آسٹریلیا میں ہوتے ہیں۔''

''وہ ہی ماموں جن سے ملنے کے بہانے وہ تم سے ملنے آتا تھا......'' نتاشا کے شرارتی انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنسی، تو وہ پلک جھپکے بغیر اس کی سنہری آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں کو دیکھنے لگی۔ اس نے اس لمحے اپنی دوست کے لیے ازلی خوشیوں کی دل ہی دل میں دعا کی تھی۔

☆ ☆ ☆
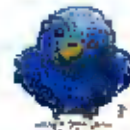
''یہ تم آج کل ماما کے ساتھ کن چکروں میں بزی ہو......؟؟؟'' ارفع نے اس دن خضر کے فلیٹ پر بڑا کامیاب چھاپا مارا تھا۔ وہ جو آج سنڈے منانے کے چکروں میں پوتی بن کر صوفے پر نیم دراز خربوزہ کھانے میں مگن تھا۔ اُسے دیکھ کر بڑے دل سے مسکرایا تھا۔

''استغفراللہ، تم لفظوں کا انتخاب تو سوچ سمجھ کر کر لیا کرو، ویسے تو ماما اس عمر میں بھی قیامت ہیں، کسی بھی باذوق بندے کے ہوش اڑا سکتی ہیں لیکن، میں ان کی تخلیق کردہ قیامت میں انٹرسٹڈ ہوں۔'' وہ منہ میں خربوزے کی قاش کی وجہ سے بمشکل بولا تھا۔ ارفع نے انتہائی غور سے اس کا تھکا تھکا سا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ خاصا کمزور سا لگ رہا تھا۔ پندرہ دن کے دورے نے اس کی صاف شفاف رنگت کو کملا کر رکھ دیا تھا اور آنکھوں کے گرد ہلکے ہلکے سے حلقے بھی نمودار ہو گئے تھے۔ چہرے پر ہلکی ہلکی شیو بھی بڑھی ہوئی تھی۔

''یہ آج تم مجھے اتنا گھور گھور کر کیوں دیکھ رہی ہو، نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا۔؟'' اس کا دھیان مکمل طور پر خربوزے کی طرف تھا لیکن اس نے اس کی محویت کو ایک لمحے میں محسوس کر لیا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنے بے نیاز انداز کے ساتھ اپنے کام میں مگن تھا۔ اس کے گیلے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے پاس ہی گیلا تولیہ پڑا تھا وہ شاید ابھی ابھی نہا کر آیا تھا۔

''تم کیا طالبان کے ساتھ دھوپ میں دوڑیں لگاتے رہے ہو جو اس قدر کالے پیلے اور کمزور لگ رہے ہو......'' اس نے تولیہ اٹھا کر سامنے ٹیرس کی ریلنگ پر پھیلایا۔

''سچ کہو، واقعی کالا پیلا سا لگ رہا ہوں......؟؟؟'' اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا جو اپنے گھریلو سے روپ میں اسے زیادہ اچھی لگتی تھی۔ ارفع نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ اس حلیے میں بھی اتنا وجیہہ و خوبرو لگ رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک اسے دیکھ نہیں پائی۔

''بتاؤ ناں......؟'' وہ بے اختیار ہی ہنسا تھا۔ اس کی چوری اس نے پکڑ لی تھی۔ خضر نے پہلی دفعہ محسوس کیا تھا کہ اس نے جینز پہننا کم کر دی تھی۔ اب بھی سرخ رنگ کے لان کے سوٹ میں تھی اس کے ہمیشہ گول مول جوڑے میں بندھے گھنے بال بھی آج فرنچ ٹیل میں بندھے ہوئے تھے جو کمر تک آ رہی تھی۔ یہ ہیر اسٹائل شاید نہیں یقیناً سارہ کا کارنامہ تھا۔ وہ ان معاملات میں بالکل کوری تھی۔

''بتاؤ ناں کہاں بزی تھے؟ پرسوں بھی مجھے ماما بتا رہیں تھیں تم ان کے ساتھ تھے، کل بھی مجھے پتا چلا کہ تم آئے ہوئے ہو جب میں اپنے اسٹوڈیو سے گھر میں آئی تب تک تم پھر ماما کے ساتھ جا چکے تھے۔'' وہ کمرے میں پھیلے کشن اب ترتیب سے ایک جگہ رکھ رہی تھی۔

''تمہیں اعتراض میرے ماما کے ساتھ جانے پر ہے یا تم سے نہ ملنے پر......؟؟؟'' وہ خربوزے سے فارغ ہو کر اب اپنے شرٹ کی آستین فولڈ کرتے ہوئے اُسے چھیڑ رہا تھا۔

''مجھے اعتراض صرف تمہارے، مجھ سے نہ ملنے پر ہے......'' وہ برجستگی سے بولی تھی۔

''یا اللہ یہ آج سورج کہاں سے نکلا ہے، میں کہیں خوشی سے فوت ہی نہ ہو جاؤں......''

''فضول باتیں مت کرو خضر......'' وہ بُری طرح جھنجھلائی اور اس کے پاس پڑی پلیٹ اٹھا کر کچن میں رکھ کر آئی تو وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا ''یار اصل میں ماما کے بے سہارا خواتین کے لیے بنائے گئے ادارے میں آزاد کشمیر سے ایک لڑکی کو لایا گیا ہے جس کے تایا زاد نے رشتہ نہ

ملنے پر اس کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا تھا اور پورے خاندان کو اس لڑکی کے کردار کی طرف سے بھی مشکوک کر دیا تھا۔ وہ پچھلے کئی دن سے سرکاری ہسپتال میں بے سہارا تھی۔ ماما کو کسی نے بتایا وہ اُسے نہ صرف اپنے ادارے میں لے آئیں بلکہ اس کا کیس بھی لڑ رہی ہیں اور اس کا علاج بھی ہو رہا ہے۔''

''اوہ سویٹ، کتنا ظلم ہے یار۔'' اس کا دل دکھ کے گہرے احساس سے بڑھ گیا۔

''ماما نے گھر میں ذکر ہی نہیں کیا.....''

''اُن کو میں نے منع کیا تھا۔''

''کیوں.....؟''

''میں نے سوچا کہ تم ڈسٹرب ہو جاؤ گی، یاد نہیں اولڈ پیپلز ہوم سے آنے کے بعد تم پورا ایک ہفتہ نہیں سو سکیں تھیں۔'' وہ انتہائی محبت سے کہہ رہا تھا۔

''کیسی ہے وہ لڑکی اب.....؟'' وہ واقعی ڈسٹرب ہو گئی تھی صوفیہ بیگم اکثر و بیشتر رفاہی کام کرتی رہتی تھیں لیکن اس کیس کا انہوں نے واقعی گھر میں ذکر نہیں کیا تھا۔

''پتا نہیں، میں نے اُسے نہیں دیکھا، ابھی ایک سرجری اس کی ہوئی ہے اور بے شمار اپریشن ابھی ہونگے ماما نے عفیرہ آپی کو اس کے کیس کی رپورٹس اٹلی بھیجی ہیں جہاں تیزاب یا آگ سے جھلس جانے والوں کے لیے ایک ادارہ ''اسمائل آگین فاؤنڈیشن'' کے نام سے کام کر رہا ہے جس کی ایک ذیلی شاخ لاہور میں بھی ہے یہ اطالوی ادارہ سا نتاماریا ہسپتال کی مدد سے کام کرتا ہے۔ اس میں اطالوی پلاسٹک سرجنوں کے ساتھ ساتھ فرانسیسی سرجن بھی کام کرتے ہیں۔'' خضر نے تفصیل سے بتایا۔

''تو کیا یہ سرجن پاکستان والی برانچ میں بھی آتے ہیں.....'' ارفع نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ہاں وہ علاج کرنے کی غرض سے باقاعدگی سے پاکستان بھی آتے ہیں اور جن مریضوں کا علاج یہاں ممکن نہ ہو انہیں اٹلی لے جایا جاتا ہے، کیونکہ یہ علاج سالوں پر محیط ہوتا ہے اس لیے انہیں اٹلی میں علاج

کے ساتھ ساتھ کوئی ہنر بھی سکھایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔''

''اس علاج کے لیے رقم کون دیتا ہے خضر.....؟'' وہ سخت حیران ہوئی۔

''یہ علاج ان عطیات سے ہوتا ہے جو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عیسائی دیتے ہیں انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ ان کی رقم کس مذہب یا فرقے کے لوگوں کے علاج کے لیے خرچ ہو رہی ہے وہ لاکھوں ڈالر کی تعداد میں عطیے دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہاں مفت علاج ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اٹلی کہ ایک ہسپتال میں پاکستان اور بنگلہ دیش میں تیزاب یا آگ سے جھلس جانے والی غریب اور مظلوم مسلمان خواتین کا علاج بھی ہوتا ہے۔'' خضر نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''او مائی گاڈ......!!!'' وہ سامنے پڑے فلور کشن پر بیٹھ چکی تھی۔

''ماما چاہ رہیں ہیں کہ میں اس ٹاپک پر کوئی پروگرام کروں، بس اس سلسلے میں تھوڑا بزی تھا، کچھ ریسرچ ہو رہی تھی اور میں چاہ رہا تھا کہ اس لڑکی کو اپنے پروگرام میں لے کر آؤں۔'' وہ اسے سادہ سے انداز میں بتا رہا تھا، لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کی بات سن کر ایسے بھڑک جائے گی۔

''تمہیں شرم نہیں آئے گی خضر اس لڑکی کو میڈیا کے سامنے لاتے ہوئے، ذرا سوچو کہ اس پر کتنا بڑا ظلم ہوا ہے اور تم اسے دنیا کے سامنے تماشا بنانا چاہتے ہو۔ چار لوگ اس سے ہمدردی کریں گے تو آٹھ اس کے کردار پر بھی انگلی اٹھائیں گے، ظاہر ہے کہ تم دوسری پارٹی کا بھی تو موقف سامنے لاؤ گے۔''

''کتنا دہرا معیار ہے تمہارا ارفع، تمہیں یاد ہے کہ اسی کمرے میں تم اسی موضوع پر میرے ساتھ شرمین عبید کے لیے لڑیں تھیں تب اس کا کام اور اس کا آسکر ایوارڈ، سب کچھ تمہیں کتنا متاثر کر رہا تھا، تب تمہیں لگ رہا تھا کہ میں محدود ذہنیت کا مظاہرہ کر رہا ہوں۔ اب جب کہ میں بھی اسی موضوع پر کام کرنا چاہ رہا ہوں تو تم کیوں اتنا بھڑک رہی ہو۔'' اُس نے ارفع کو لاجواب کیا تھا۔ اُس کا چہرہ ضبط کی کوشش میں سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بالکل چپ ہو گئی تھی۔ ایک منٹ کے بعد وہ قدرے دھیمے انداز میں بولی تھی۔

''مجھے اس دن بھی موضوع سے اختلاف نہیں تھا، میں شرمین کو آسکر ایوارڈ ملنے پر خوشی کا اظہار کر رہی تھی......''

''تو اس کو آسکر بھی تو اسی موضوع پر کام کرنے پر ملا تھا، کرتی وہ مغرب کے کسی تکلیف دہ پہلو پر کام، پھر میں دیکھتا یہ تعصب پسند گورے کیسے اس کو ایوارڈ دیتے ہیں۔'' وہ خطرناک حد تک تلخ ہوا تھا'' اور جہاں تک بات موضوع کی ہے تو میں بھی اسی موضوع پر کام کرنا چاہتا ہوں، اسی کی مذمت کرنا چاہتا ہوں، اب میری دفعہ تمہیں خواتین کے جذبات کا خیال آ گیا ہے، کیا شرمین کی ڈاکومنٹری میں خواتین نہیں تھیں، کیا ان کو ساری دنیا نے نہیں دیکھا ہوگا۔''

''ہاں تم نے سوچا ہوگا، کہ جب ساری دنیا اس بہتی گنگا سے ہاتھ دھو رہی ہے تو تم کیوں پیچھے رہو۔'' اپنی خفت پر قابو پانے کے چکر میں بہت غلط جملہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔ اس کی بات پر خضر کا چہرہ ایک دم سرخ ہوا تھا، وہ کچھ لمحوں کو تو ششدر سا رہ گیا۔ اُس نے بمشکل خود کو مشتعل ہونے سے روکا تھا۔

''بہت غلط بات کر رہی ہو تم ارفع عزیز......'' وہ انگلی اٹھا کر اُسے وارن کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ تھا کہ ارفع جیسی لڑکی کو بھی سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ بہت غصے سے ٹی وی لاؤنج سے نکل کر اپنے بیڈروم کی طرف گیا تھا۔ اُس نے پوری قوت سے بیڈروم کا دروازہ بند کیا تھا۔ اس کے اس انداز پر ارفع کا رنگ فق ہوا۔ اس نے زندگی میں پہلی دفعہ اسے اتنے اشتعال میں دیکھا تھا۔ وہ تو انتہائی دھیمے انداز کا بہت صبر و تحمل والا شخص تھا۔ اُسے پہلی دفعہ اپنا دل کنوئیں میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس نے بہت مایوسی سامنے والے بند دروازے کو دیکھا تھا۔ اُسے پہلی دفعہ اپنے اوپر شدید غصہ آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ بہت تیزی سے راحت بیکرز کی سیڑھیاں اتر رہی تھی جب اس نے اپنے بالکل سامنے معید کو اسی میدے کی بوری جیسی رنگت کی حامل لڑکی کے ساتھ اوپر دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر بری طرح سٹپٹایا۔ اس نے بے یقین نظروں سے اسے دیکھا جو اس سے نظریں چرا رہا تھا۔ وہ اس کی نتاشا کے ساتھ دھواں دھار محبت کی سب سے بڑی گواہ تھی۔

''یہ تم آج کل شتر بے مہار کی طرح کہاں گھومتے رہتے ہو، جو ہمارے لیے ٹائم ہی نہیں، کل خضر بھی گلہ کر رہا تھا کہ اس نے افغانستان سے آنے کے بعد تمہیں کئی ٹیکسٹ کیے، مگر تم نے کسی کا بھی جواب نہیں دیا۔'' اس نے کڑی نظروں سے اس کا محاصرہ کر کے آج اسے آڑے ہاتھوں لینے کا فیصلہ اچانک ہی کیا تھا۔ سیاہ سوٹ میں اس کی رنگت اس وقت دمک رہی تھی۔ اپنے ساتھ اس لڑکی موجودگی میں ارفع کی اس سے عام ''کلاس'' سے اس کی رنگت ایک دم متغیر ہوئی تھی۔

''بس یار، کچھ بزی تھا، ان سے ملو، یہ میری دوست ماہم ہے۔ ابھی ابھی اس نے شوبز جوائن کیا ہے۔'' وہ زبردستی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے پاس کھڑی لڑکی کا تعارف کروا رہا تھا۔ جو ارفع کے حسین سراپے سے بری طرح خائف ہو کر اب پارکنگ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ہیلو......!!'' ارفع نے کسی بھی مسکراہٹ سے بے نیاز ہو کر اسے ہیلو کیا تھا اور پھر اسے جان بوجھ کر نظر انداز کر کے ایک دفعہ پھر معید کی طرف متوجہ تھی۔ اس کا انداز سراسر چڑانے والا تھا۔ ماہم کے تن بدن میں آگ ہی تو لگی تھی تبھی وہ انتہائی بےزاری سے اپنی رسٹ واچ پر بار بار ٹائم دیکھ رہی تھی۔

''ہاں یار، آؤں گا، بہت جلد، تم سناؤ کیسی ہو؟ آجکل تمہارا کام خوب نام بنا رہا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں میں نے تمہاری اسلام آباد کی کچی آبادی پر بنی ڈاکومنٹری دیکھی تھی، کمال کر دیا تھا تم نے''۔ وہ عجلت بھرے انداز سے بولا تھا۔

''حیرت ہے کہ ''آجکل'' تمہارے پاس کچھ ''اور'' بھی دیکھنے کا ٹائم ہے، ورنہ مجھے تو لگتا تھا کہ تم آجکل زمین پر دستیاب ہی نہیں ہو۔'' اس کے ٹھیک ٹھاک طنز پر وہ ایک لمحے کو بوکھلایا۔ ''اینی ہاؤ، بہت جلد ملاقات ہوگی اپنی تازہ ترین مصروفیات سے وقت ملے تو کال کر لینا، پھر کوئی مل بیٹھنے کا پروگرام بنائیں گے۔'' اُسے لگا تھا کہ اس کے الوداعی کلمات پر معید نے بے ساختہ سکون کا سانس لیا تھا۔ تبھی وہ فوراً اختتامی کلمات ادا کر کے اس بےزاری لڑکی کے ساتھ راحت بیکرز میں گھس گیا تھا۔

وہ گاڑی اڑاتے ہوئے نتاشا کے نئے آفس میں پہنچی تھی، جہاں اس وقت لنچ کا ٹائم تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا کیک کا ڈبا اور پھولوں کا گلدستہ بمشکل سنبھالے تھے۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر تیسرے فلور پر پہنچی تھی۔ اس وقت نتاشا کے آفس میں دو تین بکے اور ایک کیک پہلے سے ہی پڑا تھا۔ وہ کمپیوٹر پر خاصی مصروف دکھائی دے رہی تھی۔

''ہیپی برتھ ڈے سویٹ ہارٹ......!!!'' ارفع نے اس سے گلے ملتے ہوئے اس کے رخسار پر پیار کیا تھا وہ بری طرح جھینپ گئی تھی۔ اسے بلش ہوتا دیکھ کر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''صبح سے تم دونوں کے پیچھے خوار ہوتی پھر رہی ہوں، پہلے صبح صبح اس نواب خضر حیات کو وش کیا، پھر اُسے ناشتہ بنا کر ٹھنسوایا۔ وہ آج

تکمل نخرے اٹھوانے کے چکروں میں تھا۔اس کے بعد جناب کو اس کے آفس چھوڑا، اور پھر راحت گئی اور اب تمہاری طرف ہوں۔" وہ اسے جلدی جلدی ساری تفصیل بتا رہی تھی۔خضر اور نتاشا کی برتھ ڈے ایک ہی دن ہوتی تھی جس کو کچھ عرصہ پہلے تک وہ چاروں اکھٹے خوب انجوائے کرتے تھے ،لیکن اب معید کسی اور ہی چکر میں تھا۔

"یہ پھول اور کیک کیا معید نے بھجوائے ہیں.....؟" اس نے کسی خیال کے زیرِ تحت پوچھا۔نتاشا کے چہرے کی رنگت پھیکی ہوئی۔اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ملا تھا آج کمینہ راحت بیکرز کی سیڑھیوں پر، اسی میدے کی بوری کے ساتھ ،ٹھیک ٹھاک طبیعت فریش کر کے آئی ہوں اس کی....." وہ جگ سے پانی گلاس میں ڈالتے ہوئے خاصی تپ کر بولی تھی۔

"میدے کی بوری کون.....؟" نتاشا نے سخت حیرت سے اس کا لال سرخ چہرہ دیکھا۔

"وہ ہی پھیکے شلجم جیسی وہ ماڈل گرل، جو پتا نہیں کون سی کریم کے اشتہار میں آتی ہے" ارفع کی بات پر نتاشا کھلکھلا کر ہنسی۔"واہ کیا نام دیا ہے تم نے اُسے....."

"یار میں نے نہیں دیا، خضر ایک دن غصے میں کہہ رہا تھا" وہ سنجیدگی سے اب پانی پی رہی تھی "اچھا سا لنچ کرواؤ مجھے، سخت بھوک لگ رہی ہے، صبح سے دونوں نے مجھے خوار کر دیا ہے" گلاس میز پر رکھتے ہوئے وہ مصنوعی سنجیدگی سے بولی تھی۔

"ہاں رات کا ڈنر منال پر ہم دونوں کو خضر دے رہا ہے۔" اس نے مزید ایک اور اطلاع دی۔

"لو خوامخواہ....." وہ بدکی "میں خوامخواہ اس اہم دن پر ایک ہڈی بن کر درمیان میں بیٹھ جاؤں....."

"تو تم کون سا پہلی دفعہ بیٹھو گی، ایسا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، تمہاری بھی کیا معید کی طرح یاداشت کھو گئی ہے.....؟ یاد نہیں ہم ہمیشہ سے ایسے ہی اکھٹے ڈنر کرتے آئے ہیں۔" ارفع جھنجھلا کر اسے یاد کروا رہی تھی۔

"پہلے کی بات اور تھی ارفع.....اس وقت ہم چاروں اکھٹے ہوتے تھے....." اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح اپنی بات کی وضاحت کرے۔

"کیوں اب ہم تینوں کے کیا سینگ اُگ آئے ہیں یا معید کوئی تیس مار خاں تھا جو اس کے بغیر جاتے ہوئے ہمیں کوئی اغوا کر لے گا۔آج کے دن تو کم از کم نتاشا ہمدانی تم کوئی بونگی نہ مارو۔" وہ کیک کے ڈبے سے فریش کریم انگلی سے چاٹتے ہوئے جل کر بولی تھی۔

"تم یہ بتاؤ کہ تمہاری خضر کے ساتھ صلح کب ہوئی، آخری دفعہ تو تمہاری زبان نے خوب شر پھیلایا تھا۔" نتاشا نے پلیٹس نکالتے ہوئے مسکرا کر پوچھا، کیونکہ اس لڑائی کے بعد وہ سیدھی اسی کے پاس آئی تھی۔

"لو میں خوامخواہ ڈرتی رہی، شام میں ایک سیکے اور سوری کا کارڈ لے کر اس کے فلیٹ میں گئی تو وہ کمینہ پھر تربوز کھا رہا تھا، مجھے دیکھتے ہی بولا ارفع آ جاؤ، بہت میٹھا ہے۔مل کر کھاتے ہیں۔وہ مجھ سے اور میں اس سے کبھی خفا رہ ہی نہیں سکتے۔" اس کے لہجے میں بھرپور اعتماد تھا۔

"اللہ تم دونوں کو ہمیشہ ہی ایسا ہنستا بستا رکھے۔" وہ خلوص دل سے کہتے ہوئے اب کیک کاٹ رہی تھی۔ارفع نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''ایک بات پوچھوں، نتاشا......؟؟'' وہ سوالیہ انداز میں اسے دیکھتی ہوئی بولی ''کیا معید کے بارے میں کچھ پوچھنا ہے۔'' اس نے سو فیصد درست انداز ہ لگایا تھا۔ وہ کچھ حیران ہوئی پھر تھوڑا سا جھجکتے ہوئے بولی۔

''معید نے اس دفعہ کچھ زیادہ عجیب نہیں کیا، حسن پرست اور فلرٹی تو وہ پیدائشی تھا لیکن ہر دفعہ باہر کی خاک چھان کر تمہارے ہی قدموں میں بیٹھا تجدید محبت کر رہا ہوتا تھا۔ میں اس کے والہانہ پن اور شدتوں کی گواہ ہوں، میں سمجھتی تھی کہ وہ باہر بس ایسے ہی منہ مارتا ہے لیکن محبت تم سے ہی کرتا ہے، لیکن......اس دفعہ وہ تو ہم سے بھی نظریں نہیں ملا رہا......'' ارفع کو حقیقتاً دکھ ہوا تھا۔

''وہ کچھ دن تک اب تم لوگوں سے نظریں ملائے گا بھی نہیں، اس کے بعد ڈھیٹ بن کر آ کر تم لوگوں کو بھی بتا دے گا کہ اس نے ماہم قریشی کے ساتھ کورٹ میرج کر لی ہے۔'' نتاشا نے ایک ہتھوڑا ہی تو ارفع کے سر پر مارا تھا۔ وہ سخت بے یقینی، تعجب اور صدمے کی کیفیت کے زیر اثر نتاشا کا سپاٹ چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اُس کے دماغ سے سارے لفظ بھک کر کے اڑ گئے تھے وہ بالکل گونگے بہرے انداز سے اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی جو بہت سلیقے سے کیک کے پیسز کاٹ کر اب پلیٹ میں رکھ رہی تھی۔ اس نے پیون کو بلا کر وہ پلیٹ اس کے سیکشن کے لوگوں میں بانٹنے کے لیے دے دی تھی۔

''نتاشا......!!!'' وہ بمشکل بولی تھی ''کب؟ اور تمہیں کس نے بتایا......؟''

''جس دن میں دوبئی گئی تھی اسی سے دو دن پہلے اس نے گھر والوں کی مرضی کے خلاف اس سے کورٹ میرج کی تھی اور اس کے بعد ماموں ممانی نے اسے گھر سے نکال دیا ہے وہ اب ایک فلیٹ میں رہ رہا ہے۔'' وہ بہت ضبط کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

''اور تم نے ہمیں بتایا ہی نہیں......'' اُسے سخت دھچکا ہی تو لگا تھا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہی تھی جو ایک ڈیڑھ ماہ سے اس قدر تکلیف دہ بات اکیلے ہی برداشت کرتی آئی تھی۔

''کیا بات بتاتی یار، اس نے تو مجھے خاندان بھر میں تماشا بنا کر رکھ دیا تھا مجھے دکھ اس کی شادی کا نہیں۔ ان الفاظ کا ہے جس سے اس نے میری شخصیت کے پرخچے اڑا دیے تھے۔ وہ ماموں سے اتنا ڈرتا تھا لیکن ماہم کے لیے ان کے سامنے ڈٹ گیا اس نے ماموں سے کہا ''آپ اپنی عام سی شکل وصورت کی حامل بھانجی کو زبردستی میرے سر مونڈنا چاہتے ہیں، اس کے لیے آپ کوئی اور احمق ڈھونڈیں، مجھ سے کسی قربانی کی امید نہ رکھیے گا۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے ایک قطار کی صورت میں بہہ رہے تھے۔ وہ اپنے نچلے لب کو بیدردی سے کچل رہی تھی۔ اُسے اب اندازہ ہوا تھا کہ معید اس سے اور خضر سے کیوں چھپتا پھر رہا ہے۔

''اوہ مائی گاڈ......!!!'' ارفع نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گھومتا ہوا سر تھاما تھا۔ ''اور وہ جو ہمارے ساتھ مل کر شادی کی پلاننگ کرتا تھا، وہ بیڈ روم کی کلر اسکیم، وہ گھر کا نقشہ۔ وہ ہنی مون کے لیے اسکاٹ لینڈ جانے کے پروگرام......'' ارفع کو ایسا لگا تھا جیسے اس کو کسی نے بلند عمارت سے دھکا دے دیا ہو۔

''سب کچھ ڈرامے کرتا تھا، فلرٹ کر رہا تھا مجھ سے، اُسے ہر وقت اپنی وجاہت کو سراہنے کے لیے کسی بے وقوف کی ضرورت تھی۔ جو اسے میری شکل میں مل گئی۔ اس کے حصے کا سب آفس کا کام میں کرتی تھی اور وہ عیاشیاں کرتا پھرتا تھا......'' وہ بے آواز رو رہی تھی۔

''خضر کو بہت پہلے سے اس کی فطرت کا پتا تھا وہ مجھے اکثر باتوں باتوں میں سمجھانے کی کوشش کرتا تھا۔اس کی شادی کا اسے بہت پہلے پتا چل گیا تھا لیکن وہ مجھے صدمے سے بچانا چاہتا تھا۔لیکن جو ذلت آپ کی قسمت میں لکھی جا چکی ہو اسے کوئی نہیں مٹا سکتا۔تم سوچ نہیں سکتیں، دو بئی میں پندرہ دن میں نے کیسے گذارے، ایسا لگتا تھا جیسے وقت رک گیا ہو۔لیکن وقت کتنا ہی اذیت ناک کیوں نہ ہو ختم ہو جاتا ہے''

گردن جھکائے دونوں ہاتھ گود میں رکھے وہ بول رہی تھی جب کہ ارفع سانس لینا بھول گئی تھی۔

''خضر کو اس کی شادی کا پتا تھا اس نے مجھے بھی نہیں بتایا......'' ارفع کو ایک اور شاک لگا تھا۔

''وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے یار، وہ ہر اس چیز سے جو تمہیں دکھ دے، اس سے بچانا چاہتا ہے، وہ مجھے بھی بار بار کہہ رہا تھا ارفع بہت اپ سیٹ ہو جائے گی۔اس لیے میں نے بھی اسے منع کر دیا تھا'' اس نے فوراً صفائی دی۔ارفع اُٹھ کر اب اس کی آنکھیں صاف کر رہی تھی ''بہت زیادتی کرتے ہو تم دونوں مجھ سے......'' اس کا لہجہ نم ہوا''تمہیں اس وقت میری ضرورت تھی یار، دکھ بانٹنے سے ختم تو نہیں ہوتا لیکن کم ہو جاتا ہے۔''

''کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جو بانٹنے سے بھی کم نہیں ہوتے، دل کسی طور بھی نہیں سنبھلتا۔بس ان کے لیے واحد مرہم وقت ہوتا ہے وہ ہی اس کی شدت کو کم کر دیتا ہے، لیکن اپنی ذات کی بے وقعتی کا احساس کبھی بھی کم نہیں ہوتا، یہ دکھ جب دل چاہتا ہے سر اٹھا کر کھڑا ہو جاتا ہے......'' وہ اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ارفع کے دل کے اندر ایک گہرا سناٹا سا چھا گیا تھا۔اس نے سوچ لیا تھا کہ آج کے بعد ان تینوں کی گفتگو میں معید نامی شخص کا ذکر اب کبھی نہیں آئے گا۔اُس رات ڈنر میں پہلی دفعہ ایسا ہی ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

میں تیری چھاؤں میں پروان چڑھوں

اپنی آنکھوں پہ تیرے ہاتھ کا سایا کر کے......

تیرے ہمراہ......

میں سورج کی تمازت دیکھوں......

اس سے آگے نہیں سوچا دل نے......

پھر بھی احوال یہ ہے کہ......

اک بھروسہ ہے کہ دل سبز کیے رکھتا ہے......

اک دھڑکا ہے کہ خون سرد کیے رکھتا ہے......

خضر کے ایس ایم ایس کو پڑھ کر پہلی دفعہ اس کا دل ایک عجیب سی لے میں دھڑکا تھا۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ اپنے ایک نئے پراجیکٹ کے سلسلے میں خاصی مصروف تھی، ریسرچ اور اسکرپٹ نے اسے گھن چکر بنا رکھا تھا۔ اوپر سے خضر کی مصروفیات بھی ان دنوں خاصی بڑھ گئیں تھیں۔ وہ ماما کے ساتھ تیزاب سے متاثرہ خواتین کے پروگرام میں بُری طرح الجھا ہوا تھا۔ کچھ ماما نے بھی اسے اپنے کاموں میں لگا رکھا تھا۔ آتے جاتے اُسے اس کشمیری لڑکی کی داستان سننے کو مل رہی تھی۔ ماما اس کے معاملے میں حد درجہ پرجوش تھیں۔ وہ اسکے کزن کے خلاف کورٹ میں چلی گئیں تھیں۔ انہی دنوں اُسے موی آپی کے ہاں بیٹی کی پیدائش کی خبر ملی تو وہ فوراً کراچی چلی گئی، اس سے پہلے ان کا ایک بیٹا تھا۔ پندرہ دن وہاں قیام کے دوران بھی اسکا خضر سے رابطہ خاصا کم ہوا تھا۔ جب بھی فون پر بات ہوتی پتا چلتا کہ وہ ماما کہ ساتھ ہے۔ جس دن اس کی واپسی کی فلائیٹ تھی اس دن ہی اس کا کافی دن کے بعد میسج آیا تھا۔

''جان من سنا ہے کہ آج شاہی سواری ہمارے شہر میں قدم رنجہ فرما رہی ہے، باقی تو سب کچھ ٹھیک ہے بس اپنے جہاز کو مارگلہ کی پہاڑیوں سے ذرا بچا کر رکھنا۔''

''بے فکر رہو، تم اتنے خوش قسمت نہیں ہو کہ میں اتنی جلدی تمہاری جان چھوڑ دوں......'' اس نے بھی جوابی کاروائی کی تھی۔

''پورے چوبیس سال سے تمہیں بھگت رہے ہیں کیا تم اپنی سلور جوبلی پر ہمیں خوش ہونے کا موقع نہیں دو گی......'' وہ اس کی شرارت سمجھ کر ہنسی تھی۔

''کیا ہوا؟ کس کا میسج ہے......؟'' موی آپی جو سامنے ہی بیٹھی اپنی بیٹی کے نازنخرے اٹھانے میں مصروف تھیں۔ تھوڑا سا مشکوک ہوئیں۔

''آپی خضر کا میسج ہے، ایسے ہی تنگ کر رہا ہے۔'' اس نے صاف ٹالا تھا۔

''بھئی کب تک تم دونوں میسج میسج کھیلتے رہو گے، میں نے تو ماما سے بھی کہا ہے کہ فوراً شادی کریں، اچھا خاصا لڑکا ہے، اکیلا، خوبصورت اور پڑھا لکھا، صاحب جائیداد، آج کل کے حالات کا پتا تھوڑی چلتا ہے لڑکیاں خود گلے کا ہار بننے کو تیار پھرتی ہیں۔'' مومی آپی کی فکر مندی پر اُسے ہنسی آ گئی۔

''کیا ہو گیا ہے آپ آپ کو، آپ نے بھی نتاشا کی طرح باتیں کرنا شروع کر دی ہیں.....''

''ہاں تو اس بیچاری کے ساتھ کون سا اچھا ہوا ہے وہ بھی تو اس کے ماموں کا بیٹا تھا، کیا نام تھا بھلا اس کا......'' مومی آپی نے ماتھے پر ہاتھ مار کر الجھن کا اظہار کیا۔

''عبدالمعید.....'' اس نے آپی کی مشکل آسان کی۔

''ہاں ہاں وہی، جو اکثر نتاشا کے ساتھ ہمارے گھر بھی آتا تھا۔ سارے جہان میں اس بیچاری کے اشتہار لگا کر اب اس فضول سی لڑکی کے ساتھ شادی کر لی ہے جس کا پہلا ہی ڈرامہ پٹ گیا ہے۔'' مومی آپی کو نتاشا کے حوالے سے اس پر سخت غصہ تھا۔ نتاشا کا بچپن سے ان کے گھر میں آنا جانا تھا اس لیے پورے گھر کی اس کے ساتھ انسیت تھی۔

''آپی آپ خضر کو معید کے ساتھ ملا رہی ہیں.....'' اس کو بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

''میری جان یہ سارے مرد ایسے ہیں کہ فرق سے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں.....'' مومی آپی اپنی بیٹی کا پیمپر بدلتے ہوئے بڑے مصروف انداز سے بولیں تھیں۔

''خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے، ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔'' اس نے فوراً اختلاف کیا۔

''اللہ نہ کرے کہ کسی کے ساتھ بھی ایسا ہو بس ماما کو عفیرہ یا سارہ کی وجہ سے شادی لیٹ نہیں کرنی چاہیے۔ سارہ اب اتنی بھی تم سے بڑی نہیں صرف دو سال کا فرق ہے اور وہ ویسے بھی تم سے چھوٹی لگتی ہے اور عفیرہ شادی کے لیے اٹلی سے ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آ سکتی ہے۔'' مومنہ آپی نے بیٹھے بیٹھے سارا مسئلہ چٹکی بجا کر حل کر دیا تھا۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں آپی یہ خالصتاً ماما کا ڈیپارٹمنٹ ہے.....'' اس نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکے وہ ایک دفعہ پھر اپنے سیل فون پر آنے والے میسج کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ آپی نے بھی اسے مصروف دیکھ کر مزید اس موضوع پر بات کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا، لیکن انہوں نے دل ہی دل میں ماما سے دوٹوک انداز میں بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اُسے کراچی سے آئے ہوئے بھی ایک ہفتہ ہونے کو ہو گیا تھا لیکن خضر اس کے ہاتھ ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ بری طرح تلملا رہی تھی جب اس دن نتاشا اس سے ملنے کے لیے آ گئی۔ ''تھینکس گاڈ تم آ گئیں، ورنہ اس خضر کے بچے نے تو بہت تنگ کر رکھا ہے۔'' اسے گلے لگاتے ہوئے ارفع نے فوراً ہی خضر کی شکایت لگائی تھی۔

''ہاں اس کا آج کل سارا وقت پمز ہسپتال کے برن سینٹر میں گزر رہا ہے.....'' نتاشا نے ہنستے ہوئے اسے اطلاع دی تھی۔

''برن سینٹر میں، وہ کیوں.....؟'' اُسے تعجب ہوا۔

''وہ ہی تمہاری ماماوالا کیس، اس لڑکی کو وہیں رکھا ہوا ہے ناں، پچھلے دنوں ممی کافی بیمار رہیں ہیں۔ان کو ہلکا سا نجائنا کا مسئلہ ہوا تھا، اس لیے میرا زیادہ وقت ادھر ہی گزر رہا تھا۔وہیں میں نے خضر کو اکثر دیکھا تھا۔''وہ تفصیل سے بتا رہی تھی۔

''اوہ سو سیڈ، کیا ہوا آنٹی کو، تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔'' وہ پریشان ہوئی۔

''بس یار پچھلے دنوں انہوں نے میری کافی ٹینشن لے لی تھی اس کا کچھ نہ کچھ نتیجہ نکلنا ہی تھا۔''وہ صاف گوئی سے بتا رہی تھی۔

''اب کیسی ہیں وہ......؟''ارفع نے فوراً پوچھا تو وہ بے دلی سے مسکرائی۔''اب اللہ کا شکر ہے کہ کافی بہتر ہیں، لیکن شوگر کے مریض کی طبعیت خراب ہونے کا پتا تھوڑی چلتا ہے۔''

''تم سناؤ، سومی آپی کیسی تھیں اور ان کی گڑیا......''نتاشا کی بات پر وہ اسے تفصیل سے بتانے لگی۔اپنی بات کر کے وہ پل بھر کو رکی ہی تھی کہ نتاشا نے فوراً سخت حیرت سے پوچھا۔''تمہیں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہونے کو ہے اور خضر کیا واقعی تم سے ملنے نہیں آیا۔؟''

''لو میں کون سا جھوٹ بول رہی ہوں، بس دو تین دفعہ فون پر ہی بات ہوئی ہے۔''ارفع نے اس سے بات کرتے ہوئے اپنے بیڈ روم کی کھڑکیوں کے پردے ہٹائے۔سامنے ہی غضب کا موسم تھا۔کالے سیاہ بادلوں سے آسمان ڈھکا ہوا تھا۔

''اُف ترس گئی تھی میں کراچی میں ایسے موسم کو......''نتاشا بھی اُٹھ کر اس کے پاس آن کھڑی ہوئی تھی۔سامنے ہی لش گرین آسٹریلین گھاس والا لان ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے زمرد کی چادر بچھا دی ہو۔ارفع کے بنگلے کا لان خاصا اٹریکٹو تھا۔سارہ اور ماما دونوں کو ہی باغبانی کو جنون تھا، جس کا اندازہ ان کے لان کو دیکھ کر بخوبی ہو جاتا تھا۔

''چلو یار باہر چلتے ہیں، وہیں پکوڑے اور مزے کی چائے بنوا کر پیتے ہیں......''ارفع ایک دم ہی بے تاب ہوئی تھی۔

''دفع کرو، ساون شروع ہو چکا ہے اور ساون کی بے وقت کی بارشوں کا پتا تھوڑی چلتا ہے۔ایسے ہی بھیگ جائیں گے۔''نتاشا نے بے زاری سے کہا۔اُسے بارش میں بھیگنے سے بہت الجھن ہوتی تھی۔اس کی اس عادت کا معید اور ارفع دونوں ہی بہت مذاق اڑاتے تھے۔ان کے گروپ میں نتاشا کے علاوہ وہ تینوں ہی بارش کے دیوانے تھے۔

''انتہائی بدذوق ہو تم، چلو ٹیرس میں ہی بیٹھتے ہیں۔'' ارفع کی بات اس دفعہ اس سے ٹالی نہیں گئی۔وہ دونوں بہت اطمینان سے ٹیرس پر بیٹھیں تھیں، جب خضر کی بلیک ہنڈا سوک گیٹ پر نظر آئی، گن میں گیٹ کھول کر اسے اندر آنے کا راستہ دے رہا تھا۔

''لو آ گیا تمہارا مجنوں......''نتاشا نے اُسے ہاتھ ہلاتے ہوئے خوشدلی سے کہا تھا۔وہ پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے ادھر ہی آ رہا تھا۔بلیک ڈریس پینٹ کے ساتھ لائیٹ پرپل شرٹ پہنے وہ خاصا فریش لگ رہا تھا۔شیو بھی لگتا تھا کہ آج دل لگا کر کی تھی۔ارفع کے چہرے پر مسکراہٹ کھل اُٹھی تھی۔ٹھیک دو منٹ کے بعد وہ اوپر تھا۔

''خیال آ گیا تمہیں میرا، کون سے ایسے خفیہ مشن میں مصروف تھے جو ایک سیکٹر سے دوسرے سیکٹر میں آتے ہوئے موت پڑ رہی تھی۔''ارفع اُسے دیکھتے ہی شروع ہو گئی تھی۔جو خجالت سے اپنا بایاں کان کھجا رہا تھا۔وہ ان کے سامنے رکھی سفید کرسی پر بیٹھتے ہوئے قدرے ڈھٹائی سے بولا

تھا۔ ''تمہیں تو پتا ہی ہے کہ تین دن سے سی این جی کی ہڑتال چل رہی ہے، غریب بندہ ہوں، سوچا کہ ذرا ہڑتال ختم ہو جائے پھر چلتا ہوں......'' اس کی ایکٹینگ عروج پر تھی۔

''کیوں ہسپتال میں تم کیا گاڑی کے بغیر پروں سے اڑ کر جاتے تھے......'' نتاشا نے بھی اُسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''توبہ ہے تم دونوں تو میرے خلاف اچھا خاصا محاذ بنا کر بیٹھی ہو۔ پتا ہوتا تو بلٹ پروف جیکٹ پہن آتا، افغانستان کے بعد کہیں اور پہننے کا موقع ہی نہیں ملا۔''

''جس طرح کہ خوفناک موضوعات پر تم آج کل پروگرام کر رہے ہو، لگتا ہے کہ اسے پہننے کا موقع آنے ہی والا ہے۔'' ارفع اس کا کوئی بھی ٹاک شو مس نہیں کرتی تھی۔

''ارے ہمیں کوئی پرواہ نہیں، موت کا ایک دن متعین ہے، پھر بندہ کیوں ڈرتا پھرے......'' وہ ابھی بھی غیر سنجیدہ تھا۔

''تو پھر افغانستان کیوں پہن کر گئے تھے......؟'' ارفع نے طنزیہ نظروں سے اُسے دیکھا جو اپنی دائیں طرف والی دیوار پر لگی بوگن ویلیا کی بیل سے پھول اتار اتار کر فضا میں اچھال رہا تھا۔

''یار اب طالبان سے تو ڈر لگتا ہی ہے ناں......'' وہ شرارتی انداز سے ارفع کا خفا خفا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''تم آخر بزی کہاں تھے......؟'' ارفع کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''یار اُسی ماما کے تیزاب والے کیس میں بزی تھا وہ جو پلوشہ نامی لڑکی کے ساتھ ظلم ہوا ہے، یقین کرو کہ اُسے دیکھ کر دل دکھ کے احساس سے بھر جاتا ہے۔ اس قدر معصوم سی لڑکی ہے جس کا واحد قصور اپنی خاندانی روایات کے برعکس گریجویشن کا ایگزام دینا تھا۔ اس کی والدہ سارے خاندان سے ٹکر لے کر اپنی بیٹی کو پڑھا رہے تھے جس کا ان کے جیٹھ کے بچوں کو بہت رنج تھا۔ اوپر سے انہوں نے پلوشہ کے رشتے سے انکار کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اور اس بیچاری کا سارا مستقبل ہی تباہ کر دیا۔''

''ایسے تو بے شمار کیس موجود ہیں، ہم کس کس کا رونا روئیں......'' نتاشا کچھ تلخ ہوئی۔

''لیکن نتاشا تم ذرا اس انیس سال کی لڑکی کو دیکھو، جس کے سامنے ایک پہاڑ جیسی زندگی پڑی ہے۔ اس کا قصور صرف تعلیم حاصل کرنا تھا۔ یار یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے......؟'' وہ حد درجہ جذباتی ہوا۔

''خضر حیات ہم کس کس کی جنگ لڑیں گے، ہر کسی کو اپنے حصے کی جنگ خود لڑنا پڑتی ہے اور تھکن خود ہی برداشت کرنا ہے۔'' نتاشا کے انداز میں طنز کی فراوانی تھی۔

''ہم کسی ایک آدھ کو تو انصاف دلا سکتے ہیں ناں......'' وہ بالکل بھی مایوس نہیں تھا۔

''ہم نے کیا اس معروف سیاستدان کی بہو کو انصاف دلا دیا تھا جس کے چہرے کو تیزاب سے اس قدر خراب کر دیا گیا تھا کہ بارہ سال میں سب بے شمار اپریشن کے بعد بھی وہ ٹھیک نہ ہو سکی اور تنگ آ کر اس نے خودکشی کر لی......'' نتاشا نے خضر کو لاجواب کیا تھا لیکن صرف چند لمحوں کے لیے۔

''اُس کو انصاف نہ ملنے کا مقصد یہ تو نہیں کہ ہم اب مایوس ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں۔تم ذرا بلوشہ درانی کی سسکیاں سنو،اس کی ہوش میں آنے کے بعد اپنا چہرہ دیکھ کر منہ سے نکلنے والی بے ساختہ چیخیں سنو تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔میں کم از کم بے حسی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔میں اُسے ضرور انصاف دلاؤں گا۔''اس کے چہرے سے جھلکتا عزم ان دونوں کو حیران کر گیا تھا۔

''لیکن ذرا دھیان سے،اس کو انصاف دلانے کے چکروں میں کہیں اس کے ساتھ مزید بے انصافی نہ کر جانا......''نتاشا استہزائیہ انداز میں ہنسی۔وہ بری طرح الجھا۔''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ اس کے اوپر یہ غیر انسانی سلوک کرنے والے درندے چین سے تھوڑی بیٹھیں گے،ایسا نہ ہو کہ تم انجانے میں اسے مزید مشکل میں ڈال دو۔''نتاشا نے وضاحت دی۔

''نہیں اب ایسا نہیں ہوگا،ہم لوگ اُسے باہر بھجوا رہے ہیں......''اس کے اس انکشاف پر وہ دونوں چونکیں۔

''یہ''ہم''سے تمہاری کیا مراد ہے......؟؟؟''نتاشا نے اُسے غور سے دیکھا۔

''میں اور ماما......''وہ سادگی سے بتا رہا تھا۔

''اللہ ہی خیر کرے......''نتاشا کا لہجہ معنی خیز تھا،آنٹی اتنی سادہ خاتون تو نہیں ہیں جو ان چکروں میں پڑ رہی ہیں،دھیان رکھنا ارفع،اپنی ماما اور ان کے میاں کے بھتیجے کا......''اس کے انداز کی کڑواہٹ میں معمولی سی شرارت بھی شامل ہو گئی تھی۔

''تم جب بھی سوچنا،ہمیشہ منفی ہی سوچنا،مانا کہ تمہارا بلڈ گروپ ہی منفی ہے،لیکن اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ تمہارا رونیہ بھی منفی ہو جائے......''خضر نے شاید کچھ مائنڈ کیا تھا تبھی وہ کچھ سنجیدہ ہو کر چائے کی طرف متوجہ ہو گیا جو ابھی ابھی ملازمہ وہاں رکھ کر گئی تھی۔نتاشا کے چہرے پر بڑی سرعت سے ایک تاریک سایہ دوڑا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے خضر،تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ نتاشا جسٹ مذاق کر رہی ہے تم اتنے سنجیدہ کس خوشی میں ہو رہے ہو......؟ارفع کی گلابی رنگت سرخی مائل ہو رہی تھی۔خضر اور نتاشا دونوں نے ہی اپنی اپنی جگہ خود کو کمپوز کیا تھا۔

''اٹس او کے ارفع،مجھے معلوم ہے کہ خضر بھی مذاق ہی کر رہا ہے،تم کیوں اتنی حساس ہو رہی ہو۔''نتاشا نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا تھا۔وہ اب خود کو سنبھال چکی تھی۔

''آئی ایم سوری اگر تم دونوں ہرٹ ہوئی ہو......''خضر کا لہجہ پتا نہیں کیوں دونوں ہی کو کچھ سپاٹ سا لگا تھا،وہ چائے کا مگ اٹھا کر ٹیرس کی گرل کے پاس پہنچ گیا تھا۔کالے بادلوں میں ایک ارتعاش سا برپا ہوا تھا،ہوا جو اپنے دامن میں ٹھنڈے ہوا کے جھونکے بھر کر لائی تھی اب اُسے کسی حاتم طائی کی طرح لٹا رہی تھی۔ایک دم سے ہی سرمئی اندھیرا پھیلا اور ساتھ ہی بارش نے ہر طرف جل تھل کر دیا تھا۔تیز ہوا کے جھونکے بارش کی بوندوں کو سمیٹے ٹیرس کے فرش کو بھی گیلا کیے جا رہے تھے،ان لوگوں نے اپنی کرسیاں کچھ اور پیچھے کر لی تھیں۔

''بارش کبھی کبھی اداسی کے ساتھ ساتھ عجیب سی وحشت بھی سمیٹے آتی ہے ناں......؟؟؟''نتاشا کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت تھی

۔ارفع نے بے اختیار ہی اس سے نظر چرائی تھی جبکہ خضر پلٹ کر اس کی طرف آیا تھا اس کی پرپل شرٹ اچھی خاصی بھیگ چکی تھی۔ وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''نتاشا ہمدانی، جس دن تم اپنے آپ کو یہ سمجھا لو گی کہ زندگی جیسی قیمتی چیز صرف ایک شخص کے پیچھے خراب نہیں کی جاتی، اس دن تمہیں موسموں سے وحشت اور اداسی محسوس نہیں ہوگی۔''

نتاشا نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا، ایسے جیسے کچھ کہنے کے لیے لفظ ڈھونڈ رہی ہو، باہر برستی بارش کے شور میں ایک دم ہی اضافہ ہوا تھا۔''وہ صرف ایک شخص ہی نہیں تھا، میں نے اس سے ٹوٹ کر محبت کی تھی خضر.....''اس کے لہجے میں اعتراف جرم کی سی کیفیت تھی۔

''کیا فائدہ ایسی محبت کا، جو انسان کو توڑ کر رکھ دے۔ جذبات زندگی کے لیے ضروری ہیں لیکن پوری زندگی پر ان کو حاوی کر لینا اپنی ذات کے ساتھ سخت ناانصافی ہے، تم کتنے دن تک اس یک طرفہ محبت کا سوگ مناؤ گی؟؟؟ نکل آؤ اس یوٹوپیا سے، میری طرف سے آج لکھ لو، اسی ٹیرس پر اسی کرسی پر بیٹھ کر تم کبھی کہو گی کہ معید سے محبت تمہاری زندگی کی سب سے بڑی بے وقوفی تھی، اسی جگہ پر بیٹھ کر تم کسی اور کے گن گاؤ گی کیونکہ جہاں سے شاخ ٹوٹتی ہے وہیں سے دوسری نکلتی ہے یہ قانون فطرت ہے۔'' وہ بہت نرم لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا۔

''مجھے کیسے کسی دوسرے شخص سے محبت ہو سکتی ہے.....؟؟؟'' وہ سخت بے یقین تھی۔

''کیوں نہیں ہو سکتی، محبت ایک بار نہیں، بار بار ہوتی ہے، اگر ایسا نہ ہو تو ہم ساری زندگی ایک ہی شخص کی یادوں کا خیمہ تان کر دنیا سے نہ کٹ جائیں۔ انسان بہت عجیب ہے وہ جینے کے لیے سو جواز کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ ہی لیتا ہے۔'' وہ رومال سے اپنا چہرہ صاف کر رہا تھا، نتاشا نے جھنجھلا کر اسے دیکھا جو اسے مطمئن کرنے کو بمشکل مسکرا رہا تھا۔

''کیا تمہیں ارفع کے علاوہ کسی سے محبت ہو سکتی ہے.....''؟؟؟ اس نے ایک دم ہی بہت عجیب سوال کیا تھا۔ بادل زور سے گرجا تھا۔ ارفع اور نتاشا نے سخت حیرت سے انتہائی بے تکے انداز میں ہنستے ہوئے خضر کو دیکھا تھا..... جو پاگلوں کی طرح ہنسے جا رہا تھا۔ دونوں کو بہت عجیب احساس ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

زندگی ایک مقام پر آ کر ٹھہر سی گئی تھی ساون کی بارشوں نے عجیب دھوپ چھاؤں والا موسم کر رکھا تھا۔ وہ آجکل کچھ اکتائی اکتائی سی پھر رہی تھی۔ نئے پراجیکٹ کو کرنے میں بھی مزا نہیں آ رہا تھا اوپر سے نتاشا ایک دفعہ پھر اچانک دوبئی چلی گئی تھی لیکن اس دفعہ وہ بتا کر گئی تھی کہ آفس کے کام سے گئی ہے۔ ماما کی مصروفیات کا دائرہ بھی بڑھ گیا تھا اور سارہ بھی اپنی ایک اور ایگزیبشن میں مصروف تھی۔ اس دن وہ بڑے اکتاہٹ بھرے انداز سے اپنے اسٹوڈیو سے نکلی اور سیدھی اپنے گھر کے ہال میں پہنچی تو سارہ ٹک سک سے تیار گاڑی کی چابی گھماتی ہوئی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

''یہ تمہارے منہ پر کیوں بارہ بجے ہوئے ہیں.....؟'' اس نے ایک دم ہی اس کی بے زاری کو محسوس کیا تھا۔

''کچھ نہیں یار، بور ہو رہی تھی، سوچ رہی ہوں کہ خضر کی طرف چکر لگا لوں، تم اگر باہر جا رہی ہو تو پلیز مجھے ڈراپ کر دینا.....'' اس نے

ایک ہی سانس میں ساری باتیں نبٹائیں اور تنقیدی نظروں سے اپنا حلیہ دیکھنے لگی بلیو جینز پر اس نے آج پھر سفید لونگ شرٹ پہن رکھی تھی۔ حلیہ تو ٹھیک ہی تھا وہ کچھ مطمئن ہوئی۔

''وہ تو میں ڈراپ کر دوں گی، لیکن ذرا خضر کے کان میری طرف سے کھینچنا کہ کون سی آفت آ گئی تھی جو اس نے اچانک ہی اپنا ٹاک شوختم کو دیا.....'' سارہ کو ایک دم ہی یاد آیا تھا۔

''ٹاک شوختم کر دیا خضر نے کب؟''۔ سارہ کی بات بے ساختہ کاٹتے ہوئے اس کی آواز بلند ہوئی۔ سارہ نے حیرت سے اسے دیکھا ''کیوں، تمہیں نہیں بتایا اس نے؟''

''نہیں، مجھ سے تو کئی دن سے اس کی بات ہی نہیں ہو پائی، کچھ میں مصروف تھی، اور کچھ وہ.....'' ارفع نے مضطرب انداز میں بتایا۔ ''لیکن تمہیں کس نے بتایا.....؟''

''مجھے تو پرسوں رات مومنہ آپی نے کال کر کے بتایا تھا بلکہ وہ سخت خفا ہو رہی تھیں کہ اتنی اچھی ریٹنگ تھی اس کے پروگرام کی، اور اس نے بیچ میں ہی چھوڑ دیا۔ چینل والے اگلے ہی دن نیا بندہ لے آئے۔ سب کو پتا تھا کہ وہ مومی آپی کا کزن ہے اس لیے میڈیا کے لوگوں نے ان سے ہی پوچھنا تھا۔ وہ مجھ سے پوچھ رہی تھیں۔ میں نے کہا ارفع کو پتا ہوگا'' سارہ نے اس کے ساتھ چلتے چلتے وضاحت دی۔ وہ ایک دفعہ پھر الجھن بھرے انداز میں ارفع کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو.....؟'' وہ تھوڑا سا جھنجھلائی۔

''تمہاری خضر کے ساتھ آج کل کوئی لڑائی وغیرہ تو نہیں چل رہی.....؟؟؟'' وہ تھوڑا سا نہیں اچھا خاصا مشکوک تھی۔

''ہرگز نہیں.....'' اس نے فوراً تردید کی۔

''اچھا پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے تمہیں نہ بتائے.....؟'' اس کی الجھن میں اب پریشانی کا بھی مزید اضافہ ہوا تھا۔ ''خیر، اب جا رہی ہو تو پوچھ لینا، ہو سکتا ہے کہ اسے بتانے کے لیے وقت نہ ملا ہو'' سارہ اب ارفع سے زیادہ خود کو مطمئن کر رہی تھی۔

''مجھے بتانے کا وقت نہ ملا ہو.....'' ارفع اس بات پر سوچنا نہیں چاہ رہی تھی لیکن ذہن اسی ایک بات کے علاوہ کچھ بھی سوچنے کو تیار نہیں تھا۔ تبھی وہ سوچوں میں گم خضر کے فلیٹ تک آ گئی تھی اور اسے پتا نہیں چلا تھا۔ سارہ نے پہلے ہی اس سے معذرت کر لی تھی کیونکہ اس کی کوئی میٹنگ تھی جہاں اس کا وقت پر پہنچنا ضروری تھا۔ اس وقت شام کے پانچ بج رہے تھے اسے یقین تھا کہ وہ گھر ہی ہوگا، اور ایسا ہی ہوا تھا۔ ارفع نے ایک ہی نظر میں محسوس کر لیا تھا کہ وہ کچھ نہیں اچھا خاصا تھکا تھکا سا ہے، شیو بھی لگتا تھا کہ کئی دن سے نہیں بنائی تھی۔

''یہ تم نے کیا اپنا حلیہ بنا رکھا ہے؟ طبیعت ٹھیک ہے تمہاری.....؟'' ارفع نے زبردستی نرم انداز میں پوچھا ورنہ اس کا مزاج پچھلے ایک گھنٹے سے خاصا جارحانہ تھا۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔

''ہاں یار ٹھیک ہوں، بس پچھلے کچھ دن سے کچھ طبیعت ڈانواں ڈول سی تھی اس لیے کچھ بھی کرنے کو دل نہیں کر رہا.....'' وہ ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

''کہاں مصروف تھے پچھلے دنوں......؟'' وہ سامنے والے سنگل صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کا چہرہ کھوج رہی تھی۔

''کہاں مصروف ہونا ہے یار، وہ ہی روٹین کے کام، اور دنیا کے بکھیڑے......'' وہ سستی سے جمائیاں لے رہا تھا۔ ارفع کو اپنا سارا ضبط فضا میں تحلیل ہوتا محسوس ہوا تھا۔

''اب کون سی مصروفیت ہے؟ اپنا پروگرام تو تم چھوڑ چکے ہو، پھر بھی اتنے مصروف ہو کہ تمہیں کسی کو یہ اطلاع دینے کی بھی فرصت نہیں......'' وہ تڑخ کر بولی تھی خضر کا جمائی کے لیے اٹھا ہاتھ فضا میں ہی جامد ہو گیا تھا۔ وہ لمحے بھر کو چونکا، اور بڑی تیزی سے اس نے خود پر قابو پایا تھا۔

''میں نے تمہیں بتانا تھا لیکن......''

''فار گاڈ سیک خضر مجھے یہ مت کہنا کہ تمہارے ہرٹ ہونے کے خیال سے نہیں بتایا تھا اور یہ کہ تم مجھے پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔'' اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹ کر باقاعدہ اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔ ''معاف کر دو بابا، تم مجھے ایسے فضول قسم کے ڈرامے کر کے پریشانی سے مت بچایا کرو، میں کوئی بچی نہیں ہوں اور نہ ہی کسی اور سیارے پر بستی ہوں جو مجھے تمہاری پریشانیوں کی اطلاع نہ پہنچے۔'' اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوبنے لگی تھی۔ وہ اب رو رہی تھی۔

خضر کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ وہ لپک کر اٹھا تھا اور اس کے بالکل سامنے کارپٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے۔ ''میں تمہیں قتل کر دوں گا اگر تم نے ایک بھی اور آنسو نکالا......'' اس کے اس والہانہ انداز اور ہاتھوں کی گرمی سے اس کے رونے کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ پہلی دفعہ اس کے سامنے روئی تھی۔ وہ اسے دنیا کی مضبوط ترین لڑکی سمجھتا تھا۔ اس کا یہ دعویٰ آج غلط ہو گیا تھا۔

''تم بہت عجیب ہو گئے ہو خضر، مجھے نہیں معلوم، کیسے؟ لیکن مجھے اس کی وضاحت کرنا نہیں آ رہی......'' اس کے بچگانہ انداز پر خضر کے چہرے پر ایک معدوم سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

''کیوں، میرے سر پر سینگ اُگ آئے ہیں کیا؟'' وہ دانستہ غیر سنجیدہ ہوا۔

''کاش کہ سینگ ہی نکل آتے، کچھ کنفیوژن تو دور ہوتا......'' اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔

''کیا کنفیوژن ہے، مجھے بتاؤ، میں کلیئر کرتا ہوں......''

''تم مجھ سے باتیں کیوں چھپانے لگے ہو......؟؟؟'' ارفع کی بات پر اس نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

''کیوں میں کون سا اسمگلنگ کرنے لگا ہوں یا کہیں ڈاکے مار آیا ہوں جو تم سے چھپاؤں گا......'' وہ زبردستی ہنسا تھا۔ ''یار ایسا کچھ نہیں ہے تمہیں غلط فہمی ہے، بس میرا پروڈیوسر سے کچھ نظریاتی اختلاف ہو گیا تھا، بات کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی اور جس کے نتیجے میں، میں اس کا ایگری منٹ اس کے منہ پر مار آیا، پتا تو ہے کہ کتنا جلالی خون ہے میرا، غصہ سال میں ایک دو دفعہ ہی آتا ہے لیکن جب آتا ہے سامنے والے کو کڑا کے نکال دیتا ہے۔''

''تو یہ بات تم مجھے نہیں بتا سکتے تھے......؟؟'' اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا رونے کے بعد اس کی آنکھوں میں ایک محسوس ہونے والی دلکشی سی ابھر آئی تھی خضر نے بمشکل اس سے نظریں ہٹائی تھیں۔

''تم نے میری ٹھیک ٹھاک کلاس لینی تھی جو اب بھی خبر لے رہی ہو، میرا ایک اور جگہ بات چیت چل رہی ہے، امید ہے کہ وہ چار دن میں فائنل ہو جائے گی، پھر دیکھنا میں ان چینل والوں کے کیسے چھکے اڑاتا ہوں۔'' وہ اب اٹھ کر کچن سے دو گلاس لے آیا تھا۔ فریج سے اس نے ڈیو کی بوتل نکالی اور اسے اب گلاسوں میں انڈیل رہا تھا۔ ارفع نے بہت غور سے اسے دیکھا۔

''یہ تم نے میرے ساتھ مہمانوں والا سلوک کب سے کرنا شروع کر دیا ہے، پہلی دفعہ ایسے لگا ہے کہ میں ''تمہارے'' گھر آئی ہوں......'' وہ آج ضرورت سے زیادہ حساس ہو رہی تھی۔

''تم نے بھی تو میرے سامنے بزدل اور جذباتی خواتین والے ڈرامے شروع کر دیئے ہیں۔ آج پہلی دفعہ ہی تو تم میرے سامنے روئی ہو......'' وہ اُسے چھیڑ رہا تھا۔

''تم نے بھی تو عجیب و غریب حرکتیں شروع کر دی ہیں ٹیپکل مردوں والی......'' وہ کون سا کسی سے کم تھی۔ اچانک اس کی نظر سائیڈ میز پر رکھے خواتین کے ناولز کے ایک بنڈل پر پڑی۔ اُسے سخت حیرت ہوئی''یہ تم نے خواتین کے ڈائجسٹ اور ناول کب سے پڑھنے شروع کر دیے ہیں......؟'' اس نے ڈیو والا گلاس میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ ہلکا سا چونکا۔''یہ میرے ایک دوست نے منگوائے تھے یار، ورنہ مجھے ان چیزوں میں کہاں دلچسپی ہے۔'' وہ لاپرواہی سے کہہ رہا تھا۔''یہ بتاؤ شاکرہ آجکل کچھ زیادہ ہی دوبئی کے چکر نہیں لگ رہے......؟'' اس نے اچانک ہی پوچھا تھا۔

''ہاں کہہ رہی تھی کہ کچھ آفس کا کام ہے وہ لوگ وہاں اپنا کوئی آفس بنا رہے ہیں......'' اس نے فوراً بتایا۔

''اچھا، مجھے بھی کچھ دنوں کے لیے انگلینڈ جانا ہے، بابا کی پراپرٹی کا کچھ مسئلہ ہے سوچا ہے کہ اس دفعہ جا کر سیل ہی کر آؤں......'' وہ ڈیو کی بوتل کو منہ لگا چکا تھا۔ ارفع نے ناگواری سے اس کی حرکت کو دیکھا لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ ایسی حرکتیں اسے چڑانے کے لیے جان بوجھ کر کرتا ہے۔ اس لیے اس نے بھی توجہ نہ دی۔

''اچھا، کب جا رہے ہو......؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔ وہ اب اپنی کلائی میں پڑے بریسلیٹ سے کھیل رہی تھی جو خضر نے اسے پچھلی سالگرہ پر دیا تھا۔

''شاید اگلے ہفتے......'' وہ بیٹھے بیٹھے اچانک ہی کسی سوچ میں گم ہوا تھا۔

''میں بھی ساتھ چلوں......؟''

''کیا......؟؟؟ خضر کا حیرت سے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا''۔ کیوں......؟'' وہ ایک دم سے پریشان ہوا تھا۔

''یار مذاق کر رہی ہوں......'' وہ ہنسی تو خضر کے چہرے پر سکون کا بڑا واضح تاثر ابھرا تھا''تھینکس گاڈ، ورنہ میں کس کس کو وضاحتیں دیتا پھرتا کہ یہ لڑکی کیوں میرا دوم چھلا بنی ہوئی ہے۔'' وہ اسے پھر تنگ کر رہا تھا۔ ارفع آج کافی دن کے بعد پرسکون ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

خضر انگلینڈ چلا گیا تھا اور نتاشا دوبئی سے واپس آ گئی تھی۔ اس دفعہ اس میں بہت مثبت تبدیلی آئی تھی۔ وہ خلاف توقع بہت خوش تھی۔ ارفع اس سے پوچھنا چاہ رہی تھی لیکن وہ کچھ مصروف تھی اور بہت جلد ہی اس کی مصروفیت کا راز کھل گیا تھا۔ وہ اس دن اس کے اسٹوڈیو میں ہنستی مسکراتی اور کھلکھلاتی ہوئی آئی تھی اس نے اپنا ہیر اسٹائل بھی تبدیل کرا لیا تھا جو اس کو بہت سوٹ کر رہا تھا۔ آج اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی ملاحت اور کشش تھی ارفع کچھ لمحوں کے لیے بے اختیار اسے دیکھے گئی۔

''یہ دیکھو کیا ہے.....؟؟'' وہ دور ہی سے ایک سنہری کارڈ لہراتے ہوئے آ رہی تھی۔

''اوئے تم کب ٹپکیں یہاں۔؟ اور کون سی لاٹری نکل آئی ہے جو ایسے جھنڈے کی طرح لہراتی آ رہی ہو.....'' ارفع نے اس بے اختیار گلے لگاتے ہوئے شرارت سے کہا تھا۔

''یار آپس کی بات ہے سارا خاندان بھی یہی کہہ رہا ہے کہ نتاشا کی لاٹری نکل آئی ہے.....'' وہ بے تحاشا خوش تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمکتی جوت اور بائیں گال پر پڑنے والا ڈمپل آج اسے کچھ خاص دکھا رہا تھا۔ وہ اب سنہری کارڈ اس کی طرف بڑھا رہی تھی۔

''تمہاری شادی کا کارڈ ہے کیا.....؟؟'' ارفع نے سو فیصد درست اندازہ لگایا تھا'' واقعی.....؟؟؟'' ارفع کو ایک فطری سی مسرت کا احساس ہوا تھا اس نے فوراً بے تابی اور عجلت سے کارڈ کھولا تھا۔ وہ بہت تیزی سے اس پر نظریں دوڑا رہی تھی۔

''یہ منصور احمد کون ہے.....؟؟؟'' ارفع انتہائی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔ نتاشا آج اسے حقیقتاً بہت خوبصورت اور معصوم لگ رہی تھی۔ وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچی ہوئی تھی۔ ''خضر بالکل ٹھیک کہتا تھا کہ جہاں سے شاخ ٹوٹتی ہے وہیں سے پھر پھوٹتی ہے جان من.....''

''تم ان شاخوں اور درختوں پر لعنت بھیجو، مجھے بس اتنا بتاؤ کہ یہ منصور صاحب کہاں سے نکلے ہیں، اور کیا حدود اربعہ ہے ان کا.....''؟ ارفع کو شدید بے چینی ہو رہی تھی۔ وہ اس کے احساسات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سامنے رکھے کمپیوٹر کی جانب بڑھی۔ وہ اب اپنا اکاؤنٹ کھول رہی تھی'' تم تھوڑا سا صبر کرو، سب بتا دیتی ہوں.....'' وہ بہت عرصے بعد اپنے پر اعتماد انداز میں واپس آئی تھی اس لیے ارفع کو اسے اس روپ میں دیکھ کر دلی خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے اکاؤنٹ سے ایک فنکشن کی تصاویر کھول کر دکھا رہی تھی جس کی مہمان خصوصی وہ خود تھی۔ یہ اس کی منگنی کا فنکشن تھا جو دوبئی میں ہوا تھا۔

''کمینی وہاں منگنیاں کروانے گئی تھی اور مجھے کہہ رہی تھی کہ آفس کا کام ہے، یہ تمہارے آفس کا کام ہے۔؟؟؟'' ارفع نے ہاتھ میں پکڑا کارڈ کھینچ کر اس کے سر پر مارا تھا۔

''یار ویسے بندہ بہت ہینڈسم اور ڈشنگ ہے، کہاں ہاتھ مارا ہے تم نے.....؟'' وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر مڑی اور اسے گھور کر دیکھا جس کے رخساروں پر شرم کی لالی پھیلی ہوئی تھی۔

''کوئی ہاتھ وات نہیں مارا، بھابھی کا فسٹ کزن ہے، سوئزرلینڈ کے کسی بینک میں جاب کرتا ہے، سی۔ اے کر رکھا ہے۔'' وہ جھینپتے ہوئے بتا رہی تھی۔

''مجھے اصل بات بتاؤ کہ تمہیں کہاں ملا......؟اب خدا کے واسطے یہ مت کہنا ارینج میرج ہے۔'' ارفع نے اسے دھمکی دی۔

''میں کب کہہ رہی ہوں کہ ارینج میرج ہے، لاسٹ ٹائم جب معید کا سوگ منانے دوبئی گئی تھی یہ بھی بھابھی کی طرف آیا ہوا تھا ان دنوں میں اپنے غم میں ڈوبی ہوئی تھی اور یہ میرے اندر گہرائیاں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ اس کے بعد یہ بہانے سے پاکستان بھی آیا تب ملاقات ہوئی اور اس نے سیدھا سادھا مجھے پرپوز کر دیا، میں نے بھی سوچا پہلی دفعہ کوئی ہینڈسم بندہ میری بھی منتیں کر رہا ہے، مان ہی جاتی ہوں اس سے پہلے کہ بھاگ جائے......'' وہ اپنے پرانے انداز سے مزے لے لے کر بتا رہی تھی۔

''شرم تو نہ آئی، اتنی جلدی میرے بغیر منگنی کرواتے ہوئے......؟'' ارفع نے مصنوعی خفگی دکھائی۔

''لو جی تم سب کو انوائیٹ کرنے کے چکروں میں پڑتی تو اتنی دیر میں بندہ ہی مکر جاتا، ناں بابا ناں، اس دفعہ پکے کام کروائے ہیں منگنی کی بجائے نکاح کروا لیا ہے، رخصتی اب پندرہ دن بعد ہے......'' اس کے انکشاف پر ارفع کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''میری بہن، منہ بند کر لے، کوئی اللہ کی مخلوق منہ میں گھس جائے گی، پھر خوامخواہ الٹیاں کرتی پھرو گی......'' منتشا آج مکمل فارم میں تھی۔ ارفع نے ایک زوردار جانپڑ اس کی کمر پر رسید کیا تھا۔

''کتنی بے مروّت، بدلحاظ اور بے وفا لڑکی ہو تم، ابھی کچھ دن پہلے معید کے لیے اتنے آنسو بہائے کہ سونامی کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اب ڈھٹائی سے ہنس رہی ہو......'' ارفع نے اسے غیرت دلانے کی ناکام کوشش کی۔ وہ جواباً ہنستے ہوئے لمحے بھر کو چپ ہوئی اور پھر زبردستی ہنسی' وہ دکھ تو ابھی بھی قائم ہے تم لوگ نہیں سمجھ سکو گے لیکن ایک اور نئی خبر ہے تمہارے لیے......''

''ان کوئی اور کارپٹ بمباری رہتی ہے تو وہ بھی کر دو......'' ارفع نے اس کے کارڈ سے پنکھا جھلتے ہوئے طنزیہ انداز سے کہا۔

''وہ بمباری یہ ہے کہ جناب معید صاحب کی بیگم نے خلع کے لیے مقدمہ کر رکھا ہے دونوں کی تین ماہ بھی نہیں چل سکی معید صاحب لوٹ کے بدھو گھر آ چکے ہیں۔''

''کیا......؟؟؟'' ارفع نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''وہ تمہارے نکاح پر آیا تھا کیا......؟'' اس کے منہ سے پھسلا۔

''جی جناب وہ دیکھنے آیا تھا کہ اس کے والد صاحب کی عام سی شکل و صورت کی حامل بھانجی کا نکاح کس احمق سے ہو رہا ہے لیکن اسے اس احمق کو دیکھ کر اور اس کی کوالیفیکیشن کا سن کر خاصا شاک لگا تھا۔ اس لیے بمشکل بیس منٹ ہی بیٹھا تھا۔'' وہ عجیب سے انداز میں ہنستے ہوئے بتا رہی تھی۔

''مت ایسے ہنسو، بالکل کسی احمق کی بیوی لگ رہی ہو......'' ارفع کی بات پر وہ اس دفعہ پورے دل سے قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔ ''یار منصور کو احمق تو نہ کہو، مانا کہ میرا سارا خاندان اسے نکاح والے دن یہ ہی سمجھ رہا تھا کہ اسے مجھ میں نظر کیا آیا، لیکن مجھے معلوم ہے کہ وہ شکل کا جتنا خوبصورت ہے اس سے کئی گنا بڑھ کر دل کا پیارا ہے، اب مجھے یقین آیا ہے کہ اگر آپ کی قسمت اچھی ہو تو زندگی خود بخود خوبصورت ہو جاتی ہے ورنہ میں نے پچھلے دنوں کچھ خوبصورت لوگوں کو بھی قسمت کے آگے رلتے دیکھا ہے۔''

''تھینکس گاڈ! تمہیں یہ بات سمجھ میں آئی، ورنہ میں اور خضر تو تمہیں سمجھا سمجھا کہ تھک گئے تھے۔'' ارفع نے بھی اس کے خیالات میں

مثبت تبدیلی پر شکر ادا کیا تھا۔

”یہ معید کب انگلینڈ سے واپس آئے گا؟ اب تم لوگ بھی فوراً شادی کر لو، گھر تو اس کا تقریباً بن چکا ہے۔“

”ہاں ماما بھی یہ ہی کہہ رہی ہیں، سارہ کا پرپوزل بھی فائنل ہو گیا تھا پچھلے ماہ، اس کے سسرال والے بھی بہت اصرار کر رہے ہیں، اس لیے انشاء اللہ بہت جلد۔“ ارفع نے مسکراتے ہوئے کہا

”شکر ہے کہ میں بھی تم لوگوں کی شادی اٹینڈ کر کے ہی اب جاؤں گی بار بار آنا کون سا آسان کام ہے۔“

”تمہیں کس چیز کا مسئلہ ہے، سوئس بینکوں والے تو ویسے بھی امیر کبیر لوگ ہیں، ہمارے ملک کا آدھا پیسہ چھپائے بیٹھے ہیں، تمہارے میاں کو بھی خوب تنخواہ دیتے ہونگے، آرام سے آتی جاتی رہنا۔“ ارفع نے اُسے چھیڑا تو وہ ایک دفعہ پھر ہنس پڑی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں ستارے دمک رہے تھے۔ ارفع سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ واقعی خوش تھی یا خوش نظر آنے کی اداکاری کر رہی تھی۔ اگر یہ اداکاری تھی تو لاجواب تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ بہار کے ایک قرمزی شام تھی۔ جب وہ ثنا شا کو اس کی شادی کی شاپنگ کروا کر تھکی ہاری گھر میں داخل ہوئی تھی۔ آج اس نے سپر مارکیٹ سے لے کر رابی سینٹر تک کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ ثنا شا پتا نہیں کیوں اپنی شاپنگ کے سلسلے میں اتنی حساس ہو رہی تھی یا پھر ساری ہی لڑکیاں اپنی شادی کے سلسلے میں اتنی ہی حساس ہو جاتی ہیں۔ بہت مشکل سے آج اس کے شادی کے جوڑے کا کام نبٹایا تھا۔ ارفع کا بازاروں میں گھوم گھوم کر پورا بدن ٹوٹ رہا تھا۔ آج کل ویسے بھی مومنہ آپی کراچی سے آئیں ہوئیں تھیں اور وہ ان کو بھی وقت نہیں دے پا رہی تھی۔ ذہنی اور جسمانی تھکن کے ساتھ وہ گھر میں داخل ہوئی تو اس وقت خلاف معمول ماما، سارہ اور موی آپی کو ہال میں دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ ایک لمحے میں اس نے کمرے کی ناخوشگوار فضا کو محسوس کیا تھا۔ وہ سب کو سلام کر کے سامنے صوفے پر بیٹھی تو ماما نے خاصے سنجیدہ لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔

''ارفع، تمہاری آخری دفعہ خضر سے کب بات ہوئی تھی۔؟'' وہ اندازہ نہیں کر پائی کہ ماما کے انداز میں اجنبیت زیادہ ہے یا روکھا پن۔

''میری اس سے فون پر بات تو ایک ہفتہ پہلے ہوئی تھی جب کہ اسکائپ پر پرسوں۔'' اس نے انٹرنیٹ کا حوالہ دیتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا ''کیوں، خیریت......؟''

''اس وقت کہاں تھا وہ......؟'' وہ عجیب کسوٹی کسوٹی کھیل رہیں تھیں۔

''لندن میں......'' وہ مزید حیران ہوئی۔

''اس نے تمہیں کیا بتایا کہ وہ پاکستان کب آئے گا......؟'' ماما کا چہرہ سپاٹ اور انداز بھی حیران کن حد تک روکھا پن لیے ہوئے تھا۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کچھ تشویش کا شکار ہوئی تھی۔ ''اس نے یہ ہی کہا تھا کہ وہ چیزوں کو وائنڈ اپ کر رہا ہے کچھ ٹائم لگے گا یہ ہی کوئی ایک یا ڈیڑھ ماہ...... اس نے حیرت سے جواب دیتے ہوئے مزید پوچھا تھا ''ماما، کیا ہوا ہے۔؟''

''کچھ نہیں ہوا، کیا اس نے تم سے کوئی ذکر کیا تھا کہ وہ اٹلی جائے گا......؟'' ماما کا لہجہ گہری کھوج کی غماضی کر رہا تھا، ارفع نے بڑی سبک روی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کیا اس نے تمہیں پرسوں انٹرنیٹ پر بات کرتے ہوئے بتایا کہ وہ اس وقت اٹلی میں ہے......؟''

''کیا مطلب؟ خضر اٹلی میں ہے؟؟؟'' اس نے سخت حیرت، تعجب اور بے یقینی سے ماما کا چہرہ دیکھا۔ کمرے میں ایک بوجھل سا سناٹا بہت تیزی سے پھیلا تھا۔ صوفے بیگم کو اس کے سوال میں اپنا جواب مل گیا تھا۔ ''وہ اٹلی کیا کرنے گیا ہے؟ مجھے تو اس نے ایسا کچھ نہیں بتایا، ہو سکتا ہے کہ کوئی اچانک پروگرام بن گیا ہو، آپ کو کیا عفیرہ آپی نے بتایا ہے۔'' اس کا پہلا دھیان فوراً اپنی وہاں مقیم بہن کی طرف گیا تھا، اگر خضر وہاں گیا تھا تو اس نے یقیناً قیام بھی وہیں کیا ہوگا۔

''مجھے عفیرہ نے نہیں بتایا......'' ماما نے سپاٹ انداز میں کہا ''وہ عفیرہ کے گھر نہیں ٹھہرا، اس کو تو عفیرہ نے اچانک مارکیٹ میں دیکھا تھا اور اسے وہاں آئے پورے پانچ دن ہو چکے تھے، وہ ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔'' ماما نے ایک اور بم اس کے سر پر پھوڑا تھا۔ وہ ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔

''ماما آپ اس سے دوٹوک انداز میں بات کریں کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے چھ ماہ پہلے تو اس نے مجھے فون کر کر کے سر کھایا ہوا تھا کہ ماما، سارہ

سے پہلے ان کی شادی کیوں نہیں کرتیں، اب جب کہ گھر بھی مکمل ہو چکا ہے تو وہ کیوں شادی کی ڈیٹ مزید آگے جھے ماہ تک بڑھانا چاہتا ہے۔'' موی آپی کی بات پر ارفع کو شاک لگا تھا اس نے بے یقینی سے ان کا تنا ہوا چہرہ دیکھا۔

'' مجھے خود سمجھ نہیں آرہی، مجھ سے تو وہ بات ہی نہیں کر رہا، اس نے عفیرہ کو یہ پیغام دیا ہے، کیونکہ میں نے عفیرہ سے کہا تھا کہ اسے بتا دو کہ سارہ کے سسرال والے اگلے ماہ شادی کا کہہ رہے ہیں، اس نے آگے سے عجیب ہی بات کر دی، میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ ایسا کہے گا، میں نے عفیرہ سے کہا ہے کہ اس سے دوبارا بات کرے۔'' ماما کی بات پر ایک سرد سی لہر ارفع کے وجود میں دوڑی۔ اسے ماما کی پریشانی سمجھ میں آرہی تھی۔

'' ماما، آپ لوگ چھوڑیں، میں خود اس سے بات کروں گی.....'' وہ ایک دم ہی اشتعال میں آئی تھی۔

'' تم اپنی شادی کی بات اس سے خود کرو گی.....'' موی آپی نے ناگواری سے اپنی بہن کو دیکھا جس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ سائیڈ میز پر رکھے شیشے کے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں خفیف سی لرزش تھی۔

'' کیوں، میں خود کیوں نہیں بات کر سکتی؟ جب میں اس کے ساتھ مل کر گھر کی کنسٹرکشن کروا سکتی ہوں، اس کے لیے پردے اور فرنیچر کا آرڈر دے سکتی ہوں، سارا سارا دن اس کے گھر میں گذار سکتی ہوں، سارے معاملات طے کر سکتی ہوں تو یہ بات کیوں نہیں کر سکتی، اور وہ اکیلے کیسے یہ فیصلہ کر سکتا ہے۔؟'' اس کا لہجہ اور سانس دونوں ہی غیر ہموار ہوئے، اسے خضر حیات پر شدید غصہ آرہا تھا۔ ایک تو وہ اسے بغیر بتائے اٹلی گیا اور پھر اب بالا ہی بالا سارے معاملات بھی طے کیے جا رہا تھا۔

'' میرے خیال میں موی، ارفع ٹھیک کہہ رہی ہے، یہ کوئی کم عمر یا میچور تو نہیں ہیں، دونوں پڑھے لکھے ہیں اور وہ ارفع کی بات کا مائنڈ بھی نہیں کرے گا۔'' ماما نے انتہائی تحمل سے کہا تھا لیکن مومنہ آپی کو نہ جانے کیوں غصہ آئے جا رہا تھا۔ '' عجیب تماشا بنا رکھا ہے اس لڑکے نے، جس کی طرف سے ہم سب سے زیادہ مطمئن تھے وہ ہی ہمیں آگے لگا رہا ہے۔ بھلا کوئی تک بنتی ہے اس بات کی۔''

'' موی آپی تھوڑا سا کول ڈاؤن ہو جائیں، کچھ نہیں ہوتا، ہم لوگ کیا خضر کو نہیں جانتے، کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوئی ہی ہو گی ناں، آجائے تو بیٹھ کر بات کر لیں گے۔'' سارہ نے پہلی دفعہ اس ساری گفتگو میں حصہ لیا تھا۔ وہ خاصی پرسکون تھی۔

'' ساری باتیں ٹھیک سہی لیکن وہ آخر اٹلی کیا کرنے گیا ہے، اور وہ بھی کسی کو بتائے بغیر، یہ بھی مان لیتے ہیں لیکن اس نے عفیرہ آپی سے کیوں رابطہ نہیں کیا، یہ بات کم از کم مجھے ہضم نہیں ہو رہی۔'' موی آپی کی صاف گوئی عروج پر تھی وہ ایک لمحے کے توقف کے بعد بولیں '' ایسی صورت میں جب وہ عفیرہ کے سامنے بھی آئیں بائیں شائیں کر رہا تھا، عفی نے مجھے خود بتایا ہے کہ وہ بڑی ہی عجیب حرکتیں کر رہا تھا اور ان کے باوجود اصرار کہ ان کے گھر ٹھہرنے پر راضی نہیں ہوا۔''

'' کم آن آپی، کیوں ایک بات کے پیچھے پڑ جاتی ہیں، اوپر سے عفی آپی بھی آپ کی طرح وہمی ہیں، ہو گا اس کا کوئی کام، آجائے گا تو پوچھ لیجیے گا۔'' سارہ نے ارفع کے تاریک ہوتے چہرے کو دیکھ کر بیزاری سے کہا تھا کچھ وہ موی آپی کی بال کی کھال اتارنے والی عادت سے بہت چڑتی

تھی۔ ارفع بھی اچانک ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اس کے دل میں طرح طرح کے اندیشے ناگ کی طرح سر اٹھا رہے تھے۔ خضر اسے کچھ عرصے سے قدم قدم پر چونکا رہا تھا۔ یہ چیز اس کے لیے پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔

''میں پاکستان آ گیا ہوں، اور تم سے ملنا چاہتا ہوں، کیا تم میرے فلیٹ پر آ سکتی ہو......؟'' دو دن بعد ہی خضر کی کال پر وہ اڑتے ہوئے اس کے فلیٹ میں پہنچی تھی۔ وہ خاصا تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ اس کا بڑا سا بلیک بریف کیس بھی ٹی وی لاؤنج میں پڑا تھا۔ وہ شاید ابھی وہاں پہنچا تھا۔ اس کے فلیٹ کی چیزوں پر گرد جمی ہوئی تھی۔ وہ ایک مہینہ اور چھ دن بعد آیا تھا۔ اسے دیکھ کر آج پہلی دفعہ ارفع کو اپنی سانسیں بے ترتیب ہوتی محسوس ہوئیں تھیں۔ وہ بہت غصّے میں آئی تھی لیکن اسے دیکھ کر اس کا سارا غصہ اس کے اندر ہی کہیں منہ چھپا کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ دبیز قالین پر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی بالکل اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی تھی۔ سیاہ سوٹ میں اس کی دلکشی کا عنصر بڑھ جاتا تھا لیکن آج اس دلکشی میں اداسی، بے چینی اور اضطراب بھی جھلک رہا تھا۔

''پلیز مجھ سے یہ مت پوچھنا، کہ میں اٹلی کیوں گیا تھا، کیونکہ مجھے خود معلوم نہیں، میں وہاں کیا کرنے گیا تھا۔ میں وہاں سے ہو کر آ گیا ہوں لیکن مجھے لگتا ہے کہ میں اپنے وجود کا ایک حصہ وہیں چھوڑ آیا ہوں۔'' خضر کے لہجے میں کچھ تھا جو ارفع کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے سخت حیرت سے اُسے دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' وہ غیر ارادی طور پر اس کے سامنے پڑے صوفے پر اضطراری انداز میں بیٹھ گئی۔

''مجھے تم سے کافی ساری باتیں کرنی ہیں، لیکن سمجھ نہیں آ رہی کہ کیسے کروں......؟'' ارفع کو وہ بری طرح الجھا ہوا لگا تھا۔

''کیا مطلب......؟؟؟ کیسے کروں......؟ ویسے ہی کرو، جیسے تم کرتے آئے ہو......'' ارفع نے اس کا تفکر اور پریشانی میں ڈوبا چہرہ غور سے دیکھا۔ اُسے اپنے اندر بے چینی کی شدید لہریں اٹھتی ہوئی محسوس ہوئیں تھیں۔

''میں تمہیں ہرٹ کرنا نہیں چاہتا، ارفع......'' اس نے حلق میں اٹکے گولے کو بمشکل نگلتے ہوئے بے بسی سے کہا تھا۔

''میں اب تک بہت زیادہ ہرٹ ہو چکی ہوں خضر، تم وہ بات کرو جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو......'' ارفع نے دہشت زدہ نظروں سے اُسے دیکھا وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

''ارفع ہم انسان بہت سادہ اور بے وقوف ہوتے ہیں، ہم بہت سارے سالوں کی پلاننگ کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ اوپر ایک ذات ہے جو سب سے بڑی پلان میکر ہے۔ وہ ذات 'کن' کہتی ہے اور بہت کچھ عدم سے ''وجود'' میں آ جاتا ہے۔ آج سے تین ماہ پہلے ارفع میری زندگی بھی بہت ہموار تھی، لیکن پھر اس میں ارتعاش برپا ہو گیا۔''

''کیسے......؟؟؟'' ارفع نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ اس کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔

''بہت دن سے بہت کچھ بدل چکا ہے اور میں بہت دن سے سب سے چھپتا پھر رہا ہوں، یقین مانو ارفع اس میں میرا کوئی قصور نہیں، اور ہو سکتا ہے کہ میرا اس میں قصور بھی ہو، اوپر والی ذات بہتر جانتی ہے۔'' وہ کچھ چپ ہوا۔ خوف اور اضطراب ارفع کے وجود میں خون کے ساتھ پھیلتا جا

رہا تھا اس نے بے ربط باتیں کرتے خضر کو خوفزدہ انداز میں دیکھا۔

''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو خضر......'' ارفع نے خود کو کسی دلدل میں گرتا ہوا محسوس کیا تھا۔

''دیکھو ارفع! تم بہت خوبصورت، حسین اور زندگی سے بھرپور لڑکی ہو تمہارا ساتھ کسی بھی شخص کی زندگی کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہو سکتا ہے، تین ماہ پہلے تک میں بھی خود کو بہت خوش قسمت سمجھتا تھا......'' خضر کی بات پر ارفع نے لفظ ''تھا'' کو بہت غور سے سنا تھا اسے ایسے لگا تھا جیسے کمرے کی ایک دیوار اس کے اوپر اچانک ہی سے آن گری ہو۔

''مجھے تم سے بہت محبت تھی......'' خضر کی بات پر وہ سانس لینا بھولی۔

''مجھے آج بھی تم سے محبت ہے......'' ارفع کو ایسے لگا کسی نے چند سانسیں اسے مستعار دے دی ہوں۔

''میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری زندگی میں تمہاری موجودگی میں بھی کوئی آ سکتا ہے اور یہ کہ زندگی مجھے ایک عجیب و غریب دوراہے پر لے آئے گی......'' ارفع کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کا لہجہ زیادہ عجیب ہے یا بات۔

''کون ہے وہ......'' ارفع نے بمشکل سانس لیا تھا۔ کمرے میں گھٹن کا احساس ایک دم ہی بڑھ گیا تھا۔

''وہ مجھے جب پہلی دفعہ ملی تو میرے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کے جلے ہوئے چہرے پر دوسری نگاہ ڈال سکوں......'' خضر نے اپنے تھیلے کو ایک دم ہی الٹ دیا تھا۔

''اس کا آدھا چہرہ بری طرح جلا ہوا تھا، اور باقی آدھے چہرے سے ساری دنیا اندازہ لگا سکتی ہے کہ وہ زندگی کی رعنائیوں اور دلکشی سے بھرپور ایک لڑکی تھی، اسے ایک ناکردہ گناہ کی سزا ملی۔ وہ انیس سال کی معصوم لڑکی جس کی سوچوں میں بھی کسی مرد کا گذر نہیں ہوا تھا اس کو ایک ناکردہ جرم کی سزا بھگتنا پڑی، اس کے کزن نے اس کا پھول جیسا چہرہ تیزاب سے جھلسا دیا تھا۔ ماما نے مجھے اس سے ملوایا تھا۔ میں اس کی حالت دیکھ کر کانپ گیا۔ ماما اور میں نہ صرف اس کا علاج کروانا چاہتے تھے بلکہ اسے انصاف بھی دلانا چاہتے تھے۔'' وہ اپنے ہاتھوں کو اضطراری انداز میں مسلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ارفع کو اپنے وجود میں نشتر سے چبھتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

''میں جو اس کو ہمت دلاتا تھا، اسے زندگی کی طرف واپس لانا چاہتا تھا، اس لڑکی کی اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہو گی وہ جو اپنے چہرے کو مسخ حالت میں دیکھ کر چیخیں مارتی تھی۔ اس لڑکی کے ساتھ زندگی نے ایک اور تماشا کیا، اس کو اپنے واحد مسیحا سے محبت ہو گئی......'' ارفع نے ہاتھ سے گردن کو مسلتے ہوئے پھیپھڑوں میں ہوا بھرنے کے لیے ایک زوردار سانس لیا۔ اُس نے خوف زدہ نظروں سے آنکھیں چراتے خضر کو دیکھا تھا۔

''تم مجھے اصل بات بتاؤ خضر......'' اس کے حلق سے بمشکل نکلا تھا!

''پتا نہیں مجھے کیا ہوا، ارفع خدا کی قسم مجھے نہیں پتا، لیکن مجھے اس لڑکی کا جلا ہوا چہرہ بُرا نہیں لگتا......'' اس کے منہ سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے۔ ارفع کو کمرے کی چھت اپنے اوپر گرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں صدمہ، آنسو اور وحشت کے رنگ نمایاں تھے۔

''وہ جب ہنستی ہے تو اس کے بائیں گال پر کیسا ڈمپل پڑتا ہے، وہ جب خاموش ہوتی ہیں تو اس کی آنکھیں ایک اُداس جھیل کا منظر پیش

کرنے لگتی ہیں، وہ جب خوش ہوتی ہے تو اس کی لہجے کی کھنکھناہٹ میں کتنی گھنٹیاں بجتی ہیں، مجھے یہ تمام چیزیں ازبر ہیں۔ میں نے اس سے بھاگنے کی بہت کوشش کی، لیکن میں جہاں جاتا ہوں وہ ایک چٹان کی مانند میرے سامنے آجاتی ہے، مجھے کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ اس کے چہرے کا صرف ایک حصہ جلا ہے اور ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ وہ کوشش کرے تو زندگی کی طرف واپس آسکتی ہے۔ میں نے انگلی پکڑ کر اس کو دوبارہ چلنا سکھایا ہے، میرا دل اور میرا ضمیر نہیں مانتا کہ میں اس کا ہاتھ جھٹک کر اپنی زندگی میں مگن ہو جاؤں......'' وہ آنکھیں بند کیے بڑے پرسکون انداز میں اسے وہ داستان ایسے سنا رہا تھا جسے وہ کسی اور کی ہو، ارفع شدید صدمے اور بے یقینی سے بغیر پلکیں جھکائے اسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی روح تک بھونچال کی زد میں تھی۔

''غلط کہتے ہیں لوگ کہ محبت زندگی میں صرف ایک بار ہوتی ہے، ایسا نہیں ہوتا۔ غلط کہتے ہیں یہ بھی کہ انسان کسی دوسرے کے چہرے یا جسمانی حسن کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور پھر اس سے محبت کرتا ہے، اصل میں جس سے ہمیں محبت ہوتی ہے اس کی ہر چیز ہمیں خود بخود پیاری لگنے لگتی ہے، ہم اسے دنیا کی نظروں سے دیکھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم وہ دیکھتے ہیں جو ہم یا ہمارا دل ہمیں دکھانا چاہتا ہے۔'' ارفع کو لگا وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی ہے۔ اسے لگ رہا تھا کہ کوئی اس کے سر پر ہتھوڑے مار رہا ہے۔ وہ ہراساں نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

''میں بہت اذیت میں ہوں یار......'' خضر نے بات کرتے کرتے اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ ''میں اسے چھوڑ نہیں سکتا، لیکن تمہارے بغیر رہ نہیں سکتا، میں نے اس موضوع پر اتنا سوچا ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ میں مزید ایک گھنٹہ بھی اس پر اور سوچوں گا تو میرا دماغ پھٹ جائے گا۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے بے آواز رو رہا تھا۔ ارفع کی قوت گویائی کہیں کھو گئی تھی اس نے پوری کوشش کی کہ وہ بول سکے اس سے لڑ سکے، چیخیں، چلائے، لیکن وہ جسمانی اور ذہنی طور پر بالکل مفلوج ہو گئی تھی۔

''وہ کہتی ہے کہ اس نے اللہ سے دعا مانگی ہے کہ وہ چاہے اس کا چہرہ ٹھیک نہ کرے لیکن خضر حیات کو اس کا نصیب بنا دے۔'' خضر کے ہونٹ بری طرح کپکپا رہے تھے۔

''ماما نے اسے علاج کی غرض سے اٹلی بھیجا تھا، لیکن اس نے منع کر دیا تو ماما ناراض ہو گئیں تو پھر میں نے اپنے ایک دوست کے کلینک میں شفٹ کروا دیا۔ ماما سمجھ رہی ہیں کہ اس کے والدین اسے آکر لے گئے ہیں۔'' وہ اسے ایک عجیب سی داستان سنا رہا تھا۔

''میں نے اسے بہت مشکل سے اٹلی جانے پر راضی کیا، کتنے محاذوں پر جنگیں لڑیں۔ کتنے ڈرامے کیے۔ اس کے خاندان والوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ اسے دارالامان بھیج دیا جائے، وہ اُسے قبول نہیں کر سکتے۔ میں نے بہت مشکلوں سے ایک دوست کے ذریعے اسے باہر بھجوایا۔ ماما کو اس بات کا علم نہیں، وہ سمجھ رہی ہیں کہ میں نے بھی اس کیس کو چھوڑ دیا ہے۔'' اس نے ایک اور بم اس کے اعصاب پر پھوڑا تھا۔

''اُس کے اٹلی جانے کے بعد مجھے لگا کہ میری زندگی نارمل ہو جائے گی، میں انگلینڈ میں تھا، جب مجھے پتا چلا کہ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے، مجھے نہیں معلوم میں کیسے انگلینڈ سے وہاں چلا گیا، کوئی طاقت تھی جو مجھے دھکیل رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ کافی حد تک بہتر ہو گئی، مجھے اب سمجھ نہیں آتا میں کیا کروں؟ میں اللہ کے سامنے بہت رویا ہوں، گڑگڑایا ہوں کہ مجھے درست فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرما، میں نے سات دفعہ استخارہ کیا ہے، اور مختلف علماء اکرام سے اس کی وضاحت چاہی ہے، مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اللہ اسے میرے لیے بہتر کیوں کہہ رہا ہے، میں نے ایک مفتی صاحب سے بھی

درخواست کی اور انہیں بتایا کہ ایک لڑکی سے میں محبت کرتا ہوں اور دوسری مجھ سے کرتی ہے، لیکن میں نے یہ نہیں بتایا کہ دونوں میں سے کس کا کیا نام ہے انہوں نے بھی لڑکی کا نام نہیں بتایا انہوں نے بھی مجھے یہی کہا کہ پلوشہ درانی سے شادی کرلو۔" ارفع کو ایسے لگا تھا کہ کسی نے اسے ایفل ٹاور سے دھکا دے دیا ہو یا کوئی ٹرین اس کے اوپر سے اس کے پرخچے اڑاتی گزر گئی ہو۔ رخساروں سے پھسلتے آنسو اس کی ٹھوڑی سے زمین پر گر رہے تھے۔

وہ اٹھ کر بالکل اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ اسی جگہ پر اس نے ارفع کو پہلی دفعہ روتے ہوئے دیکھا تھا اسی جگہ وہ اسے بری طرح ٹوٹتے بکھرتے دیکھ رہی تھی۔ اسے کند چھری کے ساتھ ذبح کیا جا رہا تھا، درد اور اذیت کی شدت نے اسے بے حال کر رکھا تھا۔ اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ اسکی آنکھوں کے گرد آنسوؤں کی چادر اتنی گہری ہو گئی تھی کہ اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"ارفع، میں فضا میں معلق ہو کر رہ گیا ہوں، اگر اللہ نے اسے میرے لیے بہتر خیال کیا ہے تو وہ تمہارے لیے محبت میرے دل سے نکال کیوں نہیں دیتا، میں دو کشتیوں کا مسافر بن کر زندگی کیسے گذار سکتا ہوں، مجھے سکون کیوں نہیں آتا، میرا دل ٹھہر کیوں نہیں جاتا، میرا ضمیر مجھے ملامت کیوں کر رہا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" اسے بولنے میں دقت آ رہی تھی۔

"تمہاری ساری باتیں ٹھیک سہی، لیکن خضر اگر میں تمہیں کہوں کہ تم اس لڑکی کو چھوڑ دو تو کیا تم اسے چھوڑ دو گے....." وہ اس ساری گفتگو میں بس اتنا ہی بولی تھی۔

خضر کی آنکھوں میں استعجاب تھا وہ بنا کسی توقف کے بولا تھا "ہاں چھوڑ دوں گا، لیکن اس کے بعد ساری زندگی اللہ اور ضمیر کی عدالت میں کبھی سر اٹھا کر نہیں کھڑا ہو سکوں گا۔"

"پھر تم مجھے چھوڑ دو، مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں، کوئی شکایت نہیں، پوری ایمانداری کے ساتھ اس لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کرلو، جب اللہ سے مشورہ کر لیا جائے تو پھر شکوک و شبہات میں نہیں پڑتے، اللہ انسانوں کے لیے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے....." اگرچہ اس کی سانس حلق میں اٹک رہی تھی لیکن وہ اب پرسکون تھی اس لیے بڑے ہموار لہجے میں بول رہی تھی۔

"میں تمہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں......" وہ گڑبڑایا۔ خضر کو اپنا دل کسی گہری کھائی میں ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"پھر میں تمہیں چھوڑ دیتی ہوں، اگر میں تم سے تعلق رکھوں گی تو میں اپنے ضمیر اور اللہ کی عدالت میں کبھی سر اٹھا کر نہیں کھڑی ہو سکوں گی۔" وہ اس بات پر شدید بے بسی محسوس کر رہا تھا اس کی آنکھوں کی روشنی مدھم ہو گئی تھی۔

"ارفع میں تم دونوں کو آرام سے ساتھ رکھ سکتا ہوں اگر تم اپنا دل بڑا کرلو....." وہ التجائیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"سوری خضر تمہارے معاملے میں میری محبت کا ظرف بہت چھوٹا ہے، میں ایسا نہیں کر سکتی۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ اٹھی۔

"فار گاڈ سیک ارفع ...... یقین کرو کہ تمہارے بغیر زندگی گذارنا میرے لیے زیادہ اذیت ناک ہوگا۔ پلیز میری بات مان جاؤ۔" وہ اس کے سامنے گڑگڑا رہا تھا۔

"خضر......!!!" وہ اس کی جانب مڑی "اگر تمہارے دل میں میری لیے محبت واقعی کہیں ہے تو پلیز مجھے یہ بات دوبارہ مت کہنا، میں تمہیں

کھلے دل سے اس لڑکی کو اپنانے کی اجازت دیتی ہوں۔ لیکن مجھے اپنے ساتھ کسی آزمائش میں مت ڈالو۔ پلیز'' اس کی آواز، انداز اور الفاظ میں کچھ تھا، وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

''تم استخارہ کر چکے ہو اور جب اللہ سے مشورہ کر لیا جائے تو پھر بندوں سے مشورہ کر کے خود کو گنہ گار مت کرو۔ وہ تمہیں اچھی لگتی ہے تو اس کے بعد کس چیز کی گنجائش رہ جاتی ہے۔ ضروری نہیں ہوتا کہ زندگی میں جو سب چیزیں ہمیں اچھی لگتی ہوں، وہ سب ہی مل جائیں۔ میرا خیال اب دل سے نکال لو، اور پوری ایمانداری سے وہ کام کرو جس کا مشورہ تم اللہ سے کر چکے ہو۔'' اپنی بات کر کے وہ ایک دم سے کمرے سے نکلی تھی۔ قسمت نے ان دونوں کے ساتھ بہت عجیب کھیل کھیلا تھا۔ وہ اس کے فلیٹ کے سامنے کھڑی اپنی گاڑی کی چابی وہیں بھول آئی تھی۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔ وہ بمشکل اپنے پاؤں گھسیٹتے ہوئے چل رہی تھی۔ اس کا دل۔ اس کا سارا وجود دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

وہ پیدل ہی پورا ایک سیکٹر کراس کر آئی تھی۔ وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی جب مرکز کے قریب نتاشا نے اُسے پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کا آفس وہیں قریب ہی تھا۔ اس نے دیکھا تھا وہ فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اب دونوں ہاتھ منہ پر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ سخت حیرت، تعجب اور بے یقینی کے ساتھ اپنے سامنے بیڈ پر لیٹی نڈھال سی ارفع کو ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا پورا جسم پچھلے دو دن سے بخار میں جھلس رہا تھا۔ ساتھ چھوٹی میز پر اس کا لایا ہوا پھولوں کا بڑا سا گلدستہ پڑا تھا۔

''تم نے خضر حیات سے شادی سے انکار کیوں کیا ہے ارفع.....؟'' وہ انتہائی زیرک نگاہوں سے اس کا بے تاثر چہرہ غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ہی اس دن اسے گھر تک لائی تھی، سارے راستے ارفع ہچکیوں میں روتے ہوئے آئی تھی لیکن اس نے اپنے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا تھا۔ گھر آتے ہی وہ بے سدھ ہو گئی تھی۔ ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ وہ شدید سٹریس میں ہے، اس لیے اسے مزید ڈسٹرب نہ کیا جائے، وہ ادویات کی وجہ سے غنودگی میں تھی جب اس نے ایک دن ہسپتال میں بالکل اپنے پاس کھڑے خضر کو دیکھا، وہ مکمل ہوش و حواس میں نہیں تھی لیکن وہ اس کی آنکھوں میں جھلملاتی نمی کو دیکھ سکتی تھی۔ وہ جتنی خاموشی سے آیا تھا اس سے زیادہ خاموشی سے واپس چلا گیا تھا۔ وہ ایک ہفتہ ہسپتال رہنے کے بعد گھر واپس آ گئی تھی لیکن بخار اس کی جان ہی نہیں چھوڑ رہا تھا۔ اُسے سارہ نے بتایا تھا کہ خضر انگلینڈ واپس چلا گیا ہے، تب اس نے سب کو یہی بتایا تھا کہ اس نے خضر سے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ وہ ابھی بھی اس سے محبت کرتی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ لعنتوں ملامتوں کا ایک نیا سلسلہ خضر کے خلاف شروع ہو جائے۔ سارہ، مومنہ آپی اور حتیٰ کہ عفیرہ آپی نے بھی ایڑھی چوٹی کا زور لگا لیا تھا لیکن اس کی ''ناں'' ہاں میں نہیں بدلی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ خضر انگلینڈ میں شفٹ ہونا چاہتا تھا اور اسی بات پر دونوں کا اختلاف ہوا اور بات بہت آگے تک بڑھ گئی۔

سب اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے وہ سب بھی یہی سمجھے تھے کہ خضر غصے میں پاکستان چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ ایک رات اس نے ان سب کو صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ خضر علاوہ ہر بندے سے شادی کو تیار ہے لیکن اس سے کسی قیمت پر نہیں۔ اس کا لہجہ اس قدر دوٹوک اور لچک سے عاری تھا کہ سب خاموش ہو گئے تھے۔ جس دن ماما نے خضر کو انتہائی شرمندگی سے فون کر کے کہا تھا کہ وہ سخت شرمندہ ہیں کیونکہ ارفع اس سے شادی

سے کے لیے کسی صورت راضی نہیں ،اسی رات اس کا آخری میسج آیا تھا۔

''ارفع پلیز میرے اوپر اتنے احسان مت کرو کہ میں ان کے نیچے ہی دب کر کسی دن مر جاؤں......''

اُس نے سارا الزام اپنے سر لے لیا تھا، کسی نے بھی خضر کو ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔لیکن اُس دن جس حالت میں نتاشا اسے گھر لے کر آئی تھی اور اس نے جس طرح اسے روتے ہوئے دیکھا تھا۔اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ صرف اس ایک بات پر ارفع اتنا بڑا فیصلہ کر سکتی ہے اور خضر جیسا بندہ بھی اس کے فیصلے پر کوئی مزاحمت نہیں کرتا۔یہ بات اس کی عقل سمجھنے سے عاری تھی۔

''فار گاڈ سیک ارفع ، مجھے بہلاؤ مت ، میں نے تمہارے اور خضر کے ریلیشن شپ کو بہت قریب سے دیکھا ہے میں اس بات کو مان نہیں سکتی کہ تم اتنی سی بات پر اتنا بڑا فیصلہ کرلو۔اُس نے بنا کسی تمہید کے ایک دفعہ پھر اس سے پوچھا تھا۔

''یہ اتنی سی بات نہیں تھی نتاشا......''ارفع کے حلق سے بہت دھیمی سی آواز نکلی تھی وہ جبراً مسکراتے ہوئے بمشکل اٹھی تھی نتاشا نے فوراً ایک کراس کے پیچھے تکیہ رکھا تھا۔

''یہ اتنی بڑی بات بھی نہیں تھی کہ جس کے لیے اتنے سالوں کا اتنا خوبصورت ریلیشن ختم کر دیا جائے......''وہ اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو کہ مجھے پاگل مت بناؤ، مجھے اصل بات بتاؤ۔

''کبھی کبھی جو چیزیں کسی اور کے لیے بہت معمولی ہوتی ہیں کسی دوسرے کی ساری زندگی ہوتی ہیں مائی ڈیئر......''اس کی گلابی رنگت میں زردیاں سی گھل گئیں تھیں۔

''پھر بھی ارفع ، تم اپنے فیصلے پر دوبارا سوچو، خضر کو بھی اس پر سوچنے کو ٹائم دو، مجھے تو یہ بھی نہیں سمجھ آتی کہ اس نے بھی اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ کیوں بنا لیا ہے اور اس سے بڑی بے تکی بات ہے کہ آخر انگلینڈ شفٹ ہونے میں ہرج ہی کیا ہے؟''وہ ٹانگیں جھلاتے ہوئے شدید بیزاری سے کہہ رہی تھی۔تم تو ویسے بھی زیادہ تر ملک سے باہر ہی رہی ہو۔

''لیکن مجھے اب نہیں رہنا......''ارفع نے بیزاری سے کہا۔

''تو نہ رہنا،لیکن دانشمندی سے بات کو ہینڈل کرو،خضر نے آج تک تمہاری کوئی بات ٹالی ہے جو اب ٹالے گا ، مان جائے گا وہ ،لیکن پیار سے سمجھاؤ......''نتاشا نے اسے سمجھانے کی ایک دفعہ پھر کوشش کی۔

''مجھے اس فیصلے پر نہ آج سوچنا ہے اور نہ کل......''اس کے انداز میں چٹانوں سی مضبوطی محسوس کر کے وہ بری طرح جھلا گئی تھی۔

''تم کہو تو میں خضر سے بات کروں......؟؟''

''ہرگز نہیں......!!!''ارفع کے دوٹوک انداز پر وہ ٹھٹھکی۔

''یہ کیا بات ہوئی......''نتاشا نے سخت برا منایا تھا۔''تم دونوں ایسا کیوں کر رہے ہو یار؟ خضر کو فون کرتی ہوں تو وہ اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں بولتا، تمہاری ماما نے سارہ نے اور مومی ہم سب نے اس سے اگلوانے کی کوشش کی ہے لیکن اس نے بھی اپنے منہ کو تالا لگا کر لگتا ہے چابی تمہیں

پکڑا دی ہے۔ پتا نہیں تم دونوں کو بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی، سارے گھر کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔''

''ایسا کیا کر دیا ہے ہم لوگوں نے جو تم سب لوگ روز سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہو، اور ایسا کیا انوکھا ہو گیا ہے کہ تمہارا اور معید کا بریک اپ نہیں ہوا تھا'' اس کے تلخ انداز میں ایک واضح ناراضگی پر نتاشا کے چہرے پر بڑی سرعت سے ایک تاریک سایہ دوڑا تھا۔

''پلیز ارفع، تم خود کو میرے ساتھ مت ملاؤ، ہمارے کیس میں تو میں یک طرفہ طور پر اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی وہ تو میرے ساتھ صرف ٹائم گذار رہا تھا، ایسے معاملات کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے جیسا میرے ساتھ ہوا جب کہ تمہارا کیس تو بہت مضبوط تھا، ساری دنیا جانتی تھی کہ تم لوگ شادی کرنے والے ہو۔''

''خدا کے واسطے نتاشا، ساری چیزوں کا حل شادی نہیں ہوتی، کہاں لکھا ہے کہ جس سے محبت ہو تو اس سے شادی ضرور کرو۔'' اس کی آواز پھٹ سی گئی تھی۔ نتاشا کو اس کے ردعمل پر حیرانگی ہوئی۔

''سویٹ ہارٹ، ہم لوگ یورپ میں نہیں رہتے، جہاں لوگ محبت کی وجہ سے شادی کے بغیر بھی ایک ساتھ ایک روم شیئر کرتے ہیں، ہمارا مذہب ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتا، ہمیں اپنے رشتوں کو نام دینا پڑتا ہے۔'' نتاشا اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر کچھ نرم ہوئی۔

''تو میں کون سا اس کے ساتھ رہنے کا اعلان کر رہی ہوں جو مجھے کسی نام کی ضرورت پڑے، وہ واپس چلا گیا ہے، وہاں جا کر کسی نہ کسی سے شادی کر لے گا، بات ختم......''

''تو تم کیا کرو گی......؟'' نتاشا کے تیز لہجے پر اس نے بے ساختہ آنکھیں چرائیں اور پلکوں کو تیزی سے جھپک کر ان میں آنے والی نمی کو چھپایا۔ ''میں نے فی الحال کچھ نہیں سوچا، لیکن میں کچھ نہ کچھ کر لوں گی۔'' اس کے جواب پر وہ کچھ مطمئن ہوئی۔

دن گذرتے جا رہے تھے، لیکن ان میں بے رنگی اور بے کیفی کا عنصر نمایاں ہو گیا تھا۔ سارہ کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی تھی اس دن ماما کے چہرے کی رنجیدگی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ انہوں نے ہمیشہ یہی سوچا تھا کہ ان دونوں کو اکٹھے وداع کریں گی لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سارہ کی شادی ماما نے خوب دھوم دھام سے کی تھی، خضر اس کی شادی پر نہیں آیا تھا لیکن اس نے سارہ کو شادی پر گاڑی کا تحفہ دیا تھا۔ ارفع نے خود کو بہت زیادہ مصروف کر لیا تھا اسی دوران وہ ایک چھ ماہ کا ڈاکومنٹری فلمز سے متعلقہ ایک اور کورس کرنے امریکہ چلی گئی تھی۔ امریکہ قیام کے دوران ہی اسے پتا چلا کہ نتاشا سوئزرلینڈ اپنے میاں کے ساتھ شفٹ ہو گئی ہے۔ واپس آ کر ان نے کئی پراجیکٹس اکٹھے شروع کر لیے تھے، ان تمام چیزوں کی وجہ سے اسے سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ سارہ کے ہاں بیٹے کی پیدائش اور خضر کی شادی کی اطلاع اسے اکٹھے ہی ملیں تھیں۔

''دیکھو ذرا خضر کے حالات، ہم سے اگر ناراضگی تھی تو کم از کم ہمیں تو شادی پر بلا لیتا، پتا نہیں کس کے ساتھ شادی کی ہے اس نے، کچھ خیر خبر نہیں۔'' سارہ اپنے بیٹے کے ساتھ ان دنوں میکے میں ہی تھی، اور خضر کی شادی کی خبر نے ماما کے ساتھ اسے بھی کافی رنجیدہ کیا تھا۔ وہ جو کسی چینل پر آنے والی ڈاکومنٹری کو غور سے دیکھ رہی تھی اس کی بات پر چونک گئی لیکن وہ خود کو بے پرواہ ثابت کرنے کے لیے مسلسل ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

''ظاہر ہے اس نے شادی تو کرنی ہی تھی، آخر کوئی کسی کے لیے کب تک جوگ لے سکتا ہے۔'' ماما نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے اخبار کو میز پر رکھتے ہوئے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا تھا انہیں کچھ عرصے سے ارفع سے بہت گلے شکوے تھے، وہ اپنے لیے آنے والے ہر پرپوزل میں سے کوئی نہ کوئی نقص نکال کر مسترد کر دیتی تھی اس کے ساتھ ہی ماما کی شکایتوں میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ سارہ ان کے والے سیکٹر ہی میں رہتی تھی اس لیے ماما اکثر اس کے سامنے ہی اپنے دکھڑے روتی دکھائی دیتی تھیں، اور وہ بھی ماما کی تمام شکایتوں کے بہت غور سے سنتی تھی یا پھر سننے کی ایکٹنگ کرتی تھی۔

''ویسے ماما اس نے شادی کی کس سے ہے، آپ کو اس نے بتایا؟ مجھ سے تو دو منٹ کی بات ہوئی تھی میں نے کہا تھا کہ تصاویر میل کرنا، لیکن اس کے انداز سے لگ نہیں رہا تھا کہ وہ ایسا کرے گا۔'' سارہ نے تجسس سے پوچھا لیکن بات کے اختتام تک اس کے لہجے میں مایوسی در آئی۔

''وہ کبھی بھی تصاویر میل نہیں کرے گا.....'' ارفع نے دل ہی دل میں کہا تھا۔ وہ اب بھی ٹی وی کی طرف محو ہونے کی مکمل کوشش کر رہی تھی۔

''وہ بھلا مجھے کیوں بتائے گا اور سچ پوچھو تو میں نے خود بھی اس سے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ کوئی بھی ہو، وہ کہیں بھی ہو۔'' ماما حد درجہ آزردہ ہوئیں تھیں۔

''ہاں کہہ تو آپ ٹھیک رہیں ہیں'' ۔ اس نے بھی اعتراف کیا۔ ''ہاں ماما مسز علوی نے جو ارفع کے لیے اپنے بھانجے کے پرپوزل کا ذکر کیا تھا، اس کا کیا بنا.....؟'' سارہ کی بات پر ارفع نے جھٹکے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''مجھے مسز علوی کے کسی بھانجے سے شادی نہیں کرنی، جب میں ایک دفعہ کہہ چکی ہوں کہ اگلے دو سال تک میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں، تو آپ لوگوں کو یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آتی۔'' وہ بھڑک کر کھڑی ہوئی تھی اس کی گود میں پڑا ریموٹ کنٹرول اچھل کر دور جا گرا تھا۔ ماما اور سارہ دونوں ہی کی آنکھوں میں بیزار کن سا استعجاب سمٹ آیا تھا۔

''آخر کب تک نہیں کرو گی تم شادی، جب خضر سے شادی سے تم نے خود انکار کیا تھا تو اب کس چیز کا سوگ منا رہی ہو.....؟'' سارہ کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

''خضر کوئی دنیا کا آخری مرد نہیں تھا، اور تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں اس کا سوگ منا رہی ہوں.....؟'' وہ سوکھی لکڑی کی طرح چٹخی تھی۔

''تو پھر ہر آنے والے پرپوزل سے انکار کیوں کر رہی ہو.....؟'' سارہ کی آواز جھنجھلائی ہوئی تھی۔

''اس لیے کہ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی، جب میرا ایسا کوئی ارادہ بنے گا تو میں تم لوگوں کو یہ بھانت بھانت کے لوگوں کو دیکھنے کے شغل سے بچا لوں گی، اس لیے برائے مہربانی میرے حال پر رحم کریں اور یہ شادی وادی والے ڈرامے اور جذباتی بلیک میلنگ میرے ساتھ نہ کریں۔'' ارفع کی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ وہ قطعی لہجے میں کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

''دیکھ لیں ماما کتنا دماغ خراب ہوا ہوا ہے اس کا، ہمیں اس کی خضر والی بات مانی ہی نہیں چاہیے تھی۔'' سارہ نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا جو پہلے ہی خاصے صدمے کا شکار دکھائی دے رہیں تھیں۔

''سارہ کہیں، کوئی اور تو نہیں ہے..... جس کے لیے.....؟'' ماما کی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

''کم آن ماما، ایسی کوئی بات نہیں ہوگی، اور فرض کریں ایسا کچھ ہو بھی تو آپ شروع سے ہمارے ساتھ اتنی فرینڈلی رہی ہیں اور آپ نے ہمیشہ ہمیں فری ہینڈ دیا ہے۔ اُسے اچھی طرح پتا ہے کہ آپ کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوگی، مومی آپی اور عفیرہ آپی دونوں کی شادیاں ان کے کلاس فیلوز کے ساتھ ان کی انڈراسٹینڈنگ کے ساتھ ہوئیں ہیں، صرف میرے معاملے میں آپ کو بھاگ دوڑ کرنی پڑی ہے، اس لیے میرا نہیں خیال کہ ارفع کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ ہے۔'' سارہ نے صاف گوئی سے کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسا ہو، جس کے بارے میں اسے لگتا ہو کہ مجھے پسند نہیں آئے گا، میرا مطلب ہے کہ اسٹیٹس یا کوالیفیکیشن کے حساب سے......؟'' ماما کے اندیشے ختم ہونے میں ہی نہیں آرہے تھے۔ سارہ ان کی بات پر ہنسی۔

''ماما آپ نے اس کا مزاج دیکھا ہے، اپنے سے کسی بھی لحاظ سے کم کوئی شخص اسے پسند آسکتا ہے بھلا اور ایسی صورت میں جب وہ خضر جیسے بندے کو چھوڑ چکی ہو۔'' اس کی بات میں اتنی تلخی تھی کہ صوفیہ بیگم کو اپنے تمام اندیشے فضا میں تحلیل ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ انہوں نے یک دم ہی خود کو ہلکا پھلکا محسوس کیا تھا۔ اس بات کی طرف تو واقعی ان کا دھیان نہیں گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ شاہ بلوط کے درخت کے مضبوط تنے سے ٹیک لگائے پچھلے دو گھنٹے سے وہیں ایک ہی پوزیشن میں کھڑی تھی۔ وہ جب کھڑے کھڑے وہاں تھک گئی تو اسی درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ زمین پر اگی گھاس کی پتیاں توڑ کر اسے مٹھی میں بالکل بے دھیانی سے مسل رہی تھی۔ اس وقت وہ اٹلی کے ایک ہسپتال کے بالکل سامنے بنے ایک خوبصورت پارک میں تھی۔ اس وقت وہ بیرونی دنیا سے یکسر لاتعلق تھی۔ اس کے اندر توڑ پھوڑ کا ایک جہان آباد تھا۔

ابھی ایک ہفتہ پہلے تک اس کا اٹلی آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ پاکستان میں خواتین پر ہونے والے جسمانی تشدد پر ایک ڈاکومنٹری بنا رہی تھی۔ اس نے اس دن یونہی ناشتے کی میز پر ماما کو مخاطب کر کے اس لڑکی پلوشہ کے بارے میں پوچھا جو کسی کے توسط سے ماما کے ادارے میں آئی تھی۔

''مجھے اس کا زیادہ پتا نہیں، اس کیس کو خضر ہی ڈیل کر رہا تھا، وہ ہی اسے برن سینٹر میں جا کر پوچھتا تھا وہ شاید اس موضوع پر کوئی پروگرام کرنا چاہتا تھا، لیکن پھر اس نے اپنا پروگرام ہی چھوڑ دیا۔'' توس کو جیم لگاتے ہوئے ماما نے اسے قدرے حیرت سے دیکھا۔ وہ کہاں اب کسی سے بات کرتی تھی۔ ''تم کیوں پوچھ رہی ہو......؟''

''ویسے ہی میں اس موضوع پر کام کر رہی تھی اور کچھ متاثرہ خواتین سے انٹرویو کرنے تھے تو مجھے اچانک اس کا خیال آ گیا۔'' اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اچھا......!!'' وہ کچھ مطمئن ہوئیں تبھی تفصیل سے بتانے لگیں۔ ''اس لڑکی کے کافی مسئلے مسائل تھے اس کے قبیلے کے لوگوں کو اس کی پڑھائی پسند نہیں تھی وہ ایگزام دینے جاتی تھی اس کے تایا یا شاید چچا کے بیٹوں نے اس پر تیزاب پھینک دیا، لیکن خوش قسمتی سے اس کے چہرے کا ایک حصہ بالکل بچ گیا تھا۔ وہ کافی عرصہ برن سینٹر رہی، اس کے بعد اس کے خاندان والوں کو پتا چل گیا تو خضر نے ہی اسے کسی اور جگہ منتقل کروا دیا تھا

۔ان دنوں میں خود بزی تھی اس لیے دھیان نہیں دے پائی، اس کے بعد خضر ہی بتا رہا تھا کہ ان کی کوئی صلح صفائی ہوگئی ہے۔'' ماما نے خلاف توقع تفصیل سے جواب دیا تھا۔

''اچھا مجھے تو بتا رہا تھا کہ آپ لوگوں کا اسے باہر بھجوانے کا ارادہ ہے علاج کی غرض سے.....'' اس نے خود کو ہر ممکن لاپرواہ ظاہر کرنے کے لیے صبح کا اخبار بھی اپنے آگے رکھ لیا تھا۔

''ہاں ارادہ تو تھا کہ اسائل اگین فاؤنڈیشن اٹلی والوں کے پاس بھیج دیں لیکن بعد میں مجھے خضر نے ہی بتایا تھا کہ اس کے گھر والے نہیں مانے اور واپس لے گئے ہیں۔'' ماما نے سادگی سے اسے بتایا، ارفع کو پہلی دفعہ اندازہ ہوا تھا کہ اس نے بہت پلاننگ کے ساتھ اسے یہاں سے نکالا تھا۔

''اس قسم کے کیسز میں بھی بہت پھڈے ہوتے ہیں مختلف تنظیمیں ایسی متاثرہ خواتین کو ہاتھوں ہاتھ لیتی ہیں تاکہ ان کے نام پر غیر ملکی ممالک سے فنڈ ریزنگ کی جائے، اور بہت سے لوگوں نے ایسا کیا بھی۔'' ماما نے اس کے سامنے دودھ کا گلاس رکھتے ہوئے ایک اور انکشاف کیا تھا۔

''کیا واقعی......؟؟؟'' ارفع کو سخت حیرت ہوئی۔

''ہاں پاکستان میں ایسا کافی دفعہ ہو چکا ہے اس لیے میں نے بھی اس معاملے کو چھوڑ دیا کہ خوامخواہ مخالفین کسی اسکینڈل میں نہ گھسیٹ لیں، میں نے تو بہت صاف ستھری زندگی گزاری ہے۔'' ماما سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔ بس اسی دن ارفع نے اٹلی آنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اسے پلوشہ ورانی کی تلاش میں زیادہ وقت نہیں ہوئی تھی۔ خوش قسمتی سے جب وہ ہسپتال پہنچی، اس کے پاس کوئی نہیں تھا۔ وہیں ایک ڈاکٹر نے بڑے خوشگوار انداز میں اس کی ہسٹری بتاتے ہوئے کہا تھا کہ اس کا شوہر بہت ہینڈسم ہے اور اس سے بہت محبت کرتا ہے۔ کچھ ماہ پہلے ہی ان کی شادی ہوئی ہے اور وہ پریگننٹ بھی ہے۔

ارفع نے جب اُسے دیکھا تو وہ دائیں کروٹ کی بل لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے کی وہ جلد انتہائی شفاف اور سرخ و سپید تھی۔ اُس نے سوتے ہوئے کروٹ لی تھی۔ ارفع کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ اس نے بے اختیار ہی اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹائیں تھیں۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ ابھی اس کے کافی سارے آپریشن ہو چکے ہیں اور بہت سے باقی ہیں۔ اتنے آپریشنز کے بعد بھی اس کی طرف دیکھنا ایک دشوار کن مرحلہ تھا تو پہلے اس کی حالت کیا ہوگی وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

اُس نے ایک نگاہ میں اس کے چہرے پر پھیلی پرسکون مسکراہٹ کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سوتے ہوئے بھی مسکرا رہی تھی۔ ارفع کے لیے کمرے میں ٹھہرنا دشوار ہو گیا تھا۔ وہ باہر آ گئی تھی۔ موسم نے بھی اچانک ہی انگڑائی لی تھی۔ کالے سیاہ بادل نہ جانے کہاں سے آئے تھے انہوں نے آسمان پر اپنی چادر بچھا دی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف جل تھل ہو گیا تھا۔

بارش اور آنسو دونوں ہی اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ برس رہے تھے۔ اُسے بس اتنا یاد تھا کہ اسے بے پناہ تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔ انتہائی اعصاب شکن لمحات تھے۔ وہ اردگرد کے لوگوں کی حیرت سے بے نیاز بس انجانے راستوں پر چلتی جا رہی تھی۔ اس کا سیاہ لباس بری طرح بھیگ چکا تھا۔ وہ چلتے چلتے سنگلاخ فٹ پاتھ پر سجے سنگ مرمر کے بینچ پر بیٹھ چکی تھی۔ چھٹی کا دن تھا۔ اس لیے بہت کم لوگ باہر نظر آ رہے تھے۔ وہ دونوں ٹانگیں بینچ پر اوپر رکھے نہ جانے کتنی دیر تک روتی رہی تھی۔ بارش اور آنسو دونوں اکٹھے ہی تھمے تھے۔ وہ اب بالکل خاموش تھی جب ارغوانی پھولوں کی روش

سے چلتا ہوا ایک اٹالین کپل اس کے سامنے آ کر رکا تھا۔ وہ دونوں کسی کالج کے اسٹوڈنٹس لگ رہے تھے۔ سنہری ریشم جیسے بالوں والی لڑکی کے ہونٹ بالکل اسٹابری کی طرح سرخ تھے۔ وہ اپنی گہری نیلی آنکھوں کو حیرت سے پھیلا کر اٹالین میں کچھ پوچھ رہی تھی۔ ارفع نے بیزاری سے سر کے اشارے کو نفی کے انداز میں ہلایا۔ ان دونوں کو سمجھ آ گئی تھی کہ وہ ان کی زبان سے ناواقف ہے۔ وہ اب انگلش میں اس سے، اس کی خیریت پوچھ رہی تھی۔

ارفع زبردستی مسکرائی تھی۔ اس کا دل جی بھر کر رونے کے بعد اب قدرے ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ وہ دونوں اس کے سامنے مضبوطی سے جمے کھڑے تھے۔ ان کے بغور دیکھنے پر ارفع کو تھوڑی سی الجھن ہوئی۔ سترہ اٹھارہ سالہ لڑکا جس نے گہرے سبز رنگ کی پتلون پر سرخ شوخ سے رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس نے تھوڑا سا جھک کر سنہری بالوں والی لڑکی سے کچھ کہا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ اُس نے اپنے بیگ سے ایک چاکلیٹ نکال کر بڑے دوستانہ انداز میں ارفع کی طرف بڑھائی تھی۔ اُس لڑکی کے ہونٹوں پر ایک دلکش سی مسکراہٹ تھی۔ ارفع نے نہ چاہتے ہوئے بھی چاکلیٹ اس کے ہاتھ سے پکڑ لی تھی۔ وہ لڑکا ایک دفعہ پھر شوخی کے انداز میں اپنے ہیٹ فضا میں اُچھالتے ہوئے اُسے کچھ کہہ رہا تھا۔

''کیا کہہ رہا ہے تمہارا دوست......؟'' ارفع نے اس کی شوخ نظروں سے نظر چراتے ہوئے قدرے ناگواری سے انگلش میں ہی پوچھا تھا۔ اس وقت اپنی تنہائی میں مداخلت اسے اچھی تو نہیں لگی تھی لیکن ان دونوں کے چہرے پر پھیلی دوستانہ مسکراہٹ کے آگے وہ بے بس ہو گئی۔

وہ سترہ سالہ لڑکی مسلسل مسکرا رہی تھی اس نے سفید لونگ اسکرٹ پر پنک بلاؤز پہن رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی چمک اس کی زندہ دلی اور خوش مزاجی کو واضح کر رہی تھی۔ ''یہ کہہ رہا ہے کہ تم اتنی خوبصورت ہو کہ تمہارے چہرے سے نظر ہٹانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔''

ارفع کو نہ جانے کیوں لگا تھا کہ منہ میں رکھا چاکلیٹ کا ٹکڑا حلق میں پھنس گیا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر اُسی ابتر ذہنی کیفیت کا شکار ہوئی تھی۔ وہ جیسے خلا میں معلق ہوئی۔ اس نے خالی نظروں سے دونوں کو دیکھا جو لاابالی انداز میں فٹ پاتھ پر پڑے پتھر کو ٹھوکر لگاتے ہوئے آگے لے جا رہے تھے۔ بارش کب کی رک چکی تھی مگر آسمان پر بادل پھر برسنے کو تیار تھے۔ تیز ہوا درختوں کے پتوں سے ہوا سائیں سائیں کرتی گذر رہی تھی۔ وہ بہت دیر تک اسی ایک حالت میں بیٹھی رہی، یہاں تک کہ اس کی گردن سے ٹیسیں اٹھنے لگیں اور ایک ہی جانب دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں دھندلا گئیں تھیں۔

''میرے چہرے سے نظر ہٹانا اگر مشکل کام ہے تو خضر نے یہ کام اتنی آسانی سے کیسے کر لیا۔ ......؟؟؟'' وہ ابھی تک اسی ایک بات کے گرداب میں پھنسی ہوئی تھی۔ دل و دماغ پھر ایک نئی زد پر اتر آئے تھے۔ دل اتنا زیادہ خراب ہوا تھا کہ اس نے ہاتھ میں پکڑا باقی چاکلیٹ کا ٹکڑا سامنے درخت کے ساتھ لگے ڈسٹ بن میں اچھال دیا تھا۔ اتنے ماہ گذرنے کے بعد بھی اس کا دل اس تلخ حقیقت کو ماننے سے انکاری تھا کہ خضر اس کی زندگی سے نکل چکا ہے۔ وہ شدید بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ آنکھوں میں اُمڈتے آنسو کو روکنا ایک مشکل مرحلہ تھا اور یہ کام اس نے انتہائی مشکل ہی کے ساتھ کیا تھا۔ کچھ دیر وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گذری لیکن ہونٹوں پر پھسلتی نمکینی کو محسوس کر کے اسے معلوم ہوا کہ وہ بے آواز رو رہی تھی۔ پر حدت قطرے مسلسل اس کے گالوں پر لڑھک رہے تھے۔ اس کے اندر خالی پن پھیلتا جا رہا تھا وہ خضر کی محبت کو آج، اسی ملک میں دفن کر کے جانا چاہتی تھی۔ پام کے درختوں کے نیچے بیٹھ کر وہ آج اس کے لیے آخری دفعہ روئی تھی۔ اُس سے اگلے دن وہ پاکستان چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

لان میں لگے شاہ بلوط کے درختوں کے نیچے سفید لوہے کی کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھے ارفع اور نتاشا کے مابین ایک محسوس کن بوجھل سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ نتاشا اس کی ماما کے اچانک انتقال پر بطورِ خاص اس سے ملنے اور افسوس کرنے آئی تھی۔ اس کے اٹلی سے واپس آنے کے تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد ماما کا ہارٹ فیل ہو جانے کی وجہ سے بالکل اچانک انتقال ہو گیا تھا۔ ارفع تقدیر کے اس وار پر بالکل ششدر رہ گئی تھی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بظاہر اتنی مضبوط نظر آنے والی ماما کا دل اتنا کمزور ہو سکتا ہے۔ سارہ جو اپنے میاں کے ساتھ آئرلینڈ شفٹ ہو گئی تھی۔ عفیرہ آپی جو اٹلی میں تھیں۔ وہ دونوں جب تک پہنچیں ماما کو

منوں مٹی کے نیچے دفن کیا جا چکا تھا۔ اس کی تینوں بہنیں ماما کے چالیسویں تک وہیں رکی رہی تھیں۔ عفیرہ آپی نے اور سارہ نے اسے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا تھا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ مومنہ آپی البتہ کراچی سے اسلام آباد شفٹ ہونے کے ارادے سے گئیں تھیں۔ نتاشا کے بیٹا ہوا تھا اس لیے وہ فوری طور پر تو نہیں آسکی تھی، لیکن پاکستان پہنچنے پر سب سے پہلے اُسی کے پاس آئی تھی، جو بالکل گم سم اور خاموش تھی۔

نتاشا نے اس سے ماما کے بارے میں باتیں کرتے کرتے اچانک کہا تھا ''ارفع میں انگلینڈ گئی تھی وہاں مجھے خضر ملا تھا.....'' ارفع نے بے ساختہ چونک کر اُسے دیکھا نتاشا کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن الفاظ ناپید تھے۔

''ارفع تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا.....''؟؟؟ نتاشا کے چہرے پر بڑی مردہ سی مسکان تھی وہ بہت غور سے ارفع کے چہرے پر پھیلی تاریکی کو دیکھ رہی تھی۔

ارفع کچھ نہیں بولی تھی۔ وہ شاہ بلوط اور املتاس کی شاخوں سے لپٹی ہوئی شام کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے اعصاب تن گئے تھے۔ اُس کے پاس اب بولنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔

''میں کبھی زندگی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ارفع تم دونوں کے درمیان اتنا کچھ ہو جائے گا اور تم لوگ کسی کو کانوں کان خبر ہونے نہیں دو گے۔ مجھے حقیقت میں بہت دکھ ہوا تھا۔ میرا دل چاہا کہ تمہیں اسی وقت فون کروں اور کھری کھری سناؤں، لیکن پھر سوچا کہ کیا فائدہ.....'' نتاشا کے چہرے پر بجھی ہوئی راکھ جیسی مسکراہٹ تھی۔ وہ مزید کہہ رہی تھی: ''میرا ذہن آج بھی اس حقیقت کو ماننے سے انکاری ہے کہ تمہاری جیسی خوبصورت حسین اور مکمل لڑکی پر کوئی کسی اور کو ترجیح دے سکتا ہے۔ مجھے خضر نے بتایا کہ تم نے اسے خود بلوشہ سے شادی کرنے کی اجازت دی تھی۔ تم کتنی بے وقوف ہو ارفع.....'' نتاشا کی بات پر ارفع کے گلے میں بے شمار آنسو اکٹھے تھے۔ دل میں کوئی پھانس سی اٹک گئی تھی۔

''تم اس کا منہ توڑ دیتی، اس کا گریبان پکڑتی، تم کیوں اتنی آسانی سے اس سے دستبردار ہو گئیں.....؟؟؟'' اس کی آواز میں خفگی تھی۔

''غضب خدا کا، اتنا کچھ ہو گیا اور ہم لاعلم رہے، تم کسی کو کچھ تو بتاتیں، ارفع تم نے یہ اچھا نہیں کیا.....'' نتاشا کی آواز میں دکھ، صدمہ اور ناراضگی کے سارے ہی رنگ تھے۔

''کیا بتاتی.....؟؟؟'' وہ بولی تو اس کی آواز میں ایسی تلخی تھی کہ نتاشا اُسے دیکھتی رہ گئی۔

''تم نے اس کی بیوی کو دیکھا ہے نتاشا.....؟'' وہ بہت عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

''ہاں دیکھا ہے، اور اللہ معافی دے اتنے اپریشن ہونے کے باوجود بھی اس کی طرف دیکھنا کسی بڑی آزمائش سے کم نہیں تھا۔'' نتاشا کانوں کو ہاتھ لگارہی تھی۔ ارفع نے اس کی بات پر گہرا سانس بھرا۔

''اُسے وہ جھلسا ہوا چہرہ میرے چہرے سے زیادہ خوبصورت لگنے لگا تھا، پھر بتاؤ میں کیا کرتی .....؟'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی تھی۔ نتاشا کا منہ حیرت کی زیادتی سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''وہ اس کے اور میرے بیچ میں خدا کو لے آیا تھا، اس کا کہنا تھا کہ اس نے استخارہ کیا اور پلوشہ درانی کی طرف اشارہ ہوا۔ اب بتاؤ میں کون ہوتی ہوں، اللہ کے کاموں میں دخل دینے والی۔'' وہ بمشکل بولتے ہوئے اپنے آنسو پینے کی کوشش کررہی تھی۔

''ہاں بس ایک وہ ہی اللہ کا ولی رہ گیا ہے ناں۔ جس کو اشارے ہونے تھے.....'' نتاشا نے چڑ کر کہا، اُسے نہ جانے کیوں بے تحاشا غصہ آیا تھا۔

''ایسے نہیں کہتے نتاشا، ہم کون ہوتے ہیں اللہ کے نام سے ہونے والے کاموں میں شک کرنے والے، وہ ٹھیک ہی کہتا تھا۔ پلوشہ کے لیے محبت اللہ ہی نے اس کے دل میں ڈالی تھی ورنہ اسے اس کا چہرہ دنیا کا حسین ترین چہرہ نہ لگتا۔ تم خود سوچو کہ کوئی کسی پر ترس کھا کر یا ہمدردی کے نام پر بھی اتنا بڑا فیصلہ کیسے کرسکتا ہے۔'' اس کی دلیل پر نتاشا حقیقتاً چپ رہ گئی تھی۔

''تم خود سوچو، تمہارا کہنا ہے کہ اس کی طرف دیکھنا کسی بڑی آزمائش سے کم نہیں تو پھر کوئی مرد بغیر کسی جذبے کے اپنے آپ کو کیوں امتحان میں ڈالے گا، یقین مانو مجھے بھی بہت تکلیف ہوئی تھی اس کے اس فیصلے سے، لیکن پھر اللہ نے میرے دل کو صبر دے دیا.....'' ارفع کا انداز بہت سادہ تھا۔ نتاشا نے رشک بھری نظروں سے اس کے مطمئن چہرے کو دیکھا۔

''یقین کرو نتاشا، صبر کرنا، دنیا کا مشکل ترین کام ہے لیکن اللہ اپنے بندوں پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا، آج میں سوچتی ہوں کہ اس نے بہترین فیصلہ کیا۔ اُس نے ایک جان کو بچایا۔ وہ لڑکی اگر یہاں ہوتی تو اب تک اپنے خاندان کی انتقام کی آگ میں جل چکی ہوتی۔'' وہ بہت پرسکون تھی۔

''لیکن ارفع، تمہارا اور اس کا تعلق.....؟؟؟'' اس نے بات ادھوری چھوڑی۔

''میرا اس کا تعلق قسمت میں اتنا ہی تھا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے ناں کہ میں نے اللہ کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا، میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔'' ارفع کی بات پر نتاشا نے بے یقینی سے اُسے دیکھا جو کہہ رہی تھی۔ ''ایسے فیصلے آسان تھوڑی ہوتے ہیں اور اللہ اپنے خاص بندوں کو ہی ایسی آزمائش میں ڈالتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو ارفع .....'' نتاشا نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ ''خضر شروع ہی سے خاص بندا تھا اور اُس کی مشکل پسند طبیعت کو آسان چیزیں کہاں پسند آتی تھیں، ایسا کام وہ ہی کرسکتا ہے، میرے جیسوں کے بس کی بات نہیں۔'' نتاشا کی صاف گوئی عروج پر تھی۔ وہ کچھ لمحے کے توقف کے بعد بولی۔

''وہ اپنی بیوی کا ذکر بہت محبت سے کر رہا تھا لیکن مجھے اس وقت ایسا لگا جیسے وہ میرے سامنے ڈرامہ کر رہا ہے۔اس کی بیٹی بہت خوبصورت ہے، اس نے اس کا نام فاطمہ رکھا ہے کہہ رہا تھا کہ ارفع کو یہ نام بہت پسند تھا۔'' اس کی بات پر ارفع کو ایک دم چپ لگ گئی تھی۔

''تم اس کی زندگی میں نہیں ہو لیکن پھر بھی ہر جگہ ہو۔ وہ جتنی دیر تک میرے ساتھ رہا تمہارا ذکر کرتا رہا، اس کی بیوی بھی تمہیں جانتی ہے اور تمہاری بہت احسان مند ہے۔ اس نے اسلام آباد والے گھر کو ادھورا ہی چھوڑ دیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے اس گھر میں تمہارے ساتھ رہنے کے خواب دیکھے تھے۔ وہ اس گھر میں کسی کو بھی نہیں لے جا سکتا۔'' نتاشا بہت آہستگی کے ساتھ اُسے وہ باتیں بتا رہی تھیں جو اُسے مضطرب کر رہی تھیں۔

''نتاشا، کیا ہم کوئی اور بات نہیں کر سکتے.....؟'' ارفع نے ایک گہرا سانس لے کر بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔''یقین کرو، میں اس موضوع کو اپنی زندگی سے ختم کر چکی ہوں، پھر ایسی باتوں، یادوں یا چیزوں کا کیا فائدہ جو آپ کو سوائے تکلیف اور اذیت کے کچھ نہ دیں۔ میں اپنی خواہشوں اور خوابوں کے سارے پرندے اڑا چکی ہوں۔''

''صرف ایک آخری سوال، تم لوگوں نے اُسے ماما کے انتقال کی اطلاع کیوں نہیں دی۔؟'' نتاشا نے کھوجتی نظروں سے اپنے سامنے بیٹھی انتہائی کمزور اور رنجیدہ سی دوست کو دیکھا۔ اتنے حادثات کے بعد بھی اس کی آب و تاب ویسے ہی قائم تھی۔ کبھی کبھی نتاشا کو اس پر کسی جیولر کی شاپ پر لگی فینسی لائیٹ کا گمان ہوتا تھا۔

''یار پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی نے ایسا دانستہ نہیں کیا، اس کا سارا کے ساتھ رابطہ تھا، جو سارا کے آئرلینڈ جانے کے بعد شاید ختم ہو گیا۔ اس کے بعد ماما کی ڈیتھ پر عفیرہ آپی نے کہا تھا کہ اس کو اطلاع کر دیں لیکن سارا نے ہی بتایا کہ اس کا وہ نمبر مسلسل بند ہے شاید اس نے بھی نمبر تبدیل کر لیا ہو۔ اس سے زیادہ ہم میں سے کسی نے بھی کوشش نہیں کی۔ وہ ملازمہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے صاف گوئی سے بولی تھی۔

''چلو ٹھیک، لیکن تم بتاؤ، تم نے زندگی کے لیے اب کیا سوچا ہے.....؟'' نتاشا نے بظاہر سرسری سے انداز میں خاصا اہم سوال کیا تھا۔

''یار میں نے کیا سوچنا ہے، پہلے کون سا میری سوچوں کے مطابق ہی ہوا ہے.....'' ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر آ کر ٹھہر گئی تھی۔

''اگر ایسا ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ انسان سوچنا ہی چھوڑ دے.....'' نتاشا نے پزا کا ٹکڑا اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے برا سا منہ بنایا۔

''میرا دل نہیں کرتا، کچھ بھی سوچنے کو، بس جیسا چل رہا ہے چلنے دو.....'' اس کے چہرے پر تھکن نمایاں ہو گئی تھی۔

''جب سارے فیصلے تم نے خود کیے، پھر اپنے دل کو بھی سمجھاؤ، ایسے زندگی نہیں گزرتی.....'' اس کے اعتماد بھرے انداز پر ارفع نے چونک کر اُسے دیکھا جو شادی کے بعد نکھر گئی تھی۔

''نتاشا، تمہیں معید یاد نہیں آتا.....'' اُس کے اچانک اور ایک دم پوچھے جانے والے سوال پر نتاشا کے چہرے پر پھیلنے والا تاریک سایہ ارفع سے پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔

''نہیں.....!!!'' اس کا انداز دو ٹوک تھا' جب بھی اس کے حوالے سے کچھ ذہن میں آیا تو یقین مانو اپنی ذات کی بے وقعتی کے حوالے

سے اپنی تذلیل کے لمحات ہی یاد آئے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی بے وقوفی تھا وہ۔ مجھے اس سے محبت تھی لیکن اس محبت کے بعد مجھے پتا چلا کہ محبت سے زیادہ تو عزت اہم ہوتی ہے اور اس نے مجھ سے محبت نہیں کی، نہ کرتا، لیکن میری عزت تو کرتا۔ سارے خاندان میں تماشا بنا کر رکھ دیا۔" وہ ایک دم ہی پھٹ پڑی تھی۔ "آج مجھے دیکھو ارفع، میں کہاں ہوں اور وہ کہاں؟ میرے رب نے مجھے کیا کچھ نہیں دیا، ایک محبت کرنے والا شریک حیات، پیسہ، دولت۔ اسٹیٹس، اولاد، بتاؤ کس چیز کی کمی ہے مجھ میں......؟؟؟؟ اور وہ کہاں ہے، نہ ڈھنگ کی جاب، نہ پیسہ، نہ سکون، نہ کوئی اسٹیٹس، دوسری شادی کی تو پتا چلا کہ اولاد نہیں ہو سکتی، اب دوسری بیوی بھی چھوڑ کر چلی گئی۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنس رہی تھی۔ ارفع نے کباب سے ہاتھ روک کر گہری نظروں سے اسے جانچا۔

"پلیز نتاشا، ایسے مت ہنسو، اللہ کو یہ سب پسند نہیں، یہ تمام چیزیں آنی جانی ہیں، ان کا بھروسہ نہیں۔"

"ارفع میں معید پر نہیں، اس محبت پر ہنس رہی ہوں، جس کا راگ الاپ کر میں نے اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال اس شخص کے لیے غارت کر دیے تھے۔ خضر ٹھیک کہتا تھا کہ ایک وقت آئے گا اور تم اپنی اس بے وقوفی پر ہنسا کرو گی، دیکھو اللہ کتنا بے نیاز ہے کتنا جلدی وقت آ گیا، میں نے اللہ پر چھوڑا تھا ناں، اس نے میرے لیے بہترین کیا۔" وہ لاپروائی سے اپنی پلیٹ میں نمکو ڈال رہی تھی۔ ارفع نے رشک بھرے انداز سے اس کا پرسکون چہرہ دیکھا تھا اور دل ہی دل میں اس کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا کی تھی۔

"تم اب مجھے انسانوں کی طرح بتاؤ کہ تم نے کیا سوچا ہے؟ اپنے اتنے قیمتی سال ایسے ضائع نہ کرو ارفع، یقین کرو ہمیں دکھ ہوتا ہے۔" ارفع کو اس کے خلوص پر ذرا برابر بھی شک نہیں تھا۔ وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر بولی تھی۔ "میں نے بھی سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا ہے وہ میرے لیے بھی ویسا ہی بہترین کرے گا، جیسا اس نے تمہارے لیے کیا، اس لیے کہ وہ سب جہانوں کا رب ہے۔"

مونگ پھلی کا دانہ منہ کی طرف لے جاتے ہوئے نتاشا کا ہاتھ فضا میں ہی معلق ہوا تھا۔ وہ لاجواب ہوئی تھی۔ اس نے شدید حیرت سے اپنے سامنے بیٹھی ارفع کو انتہائی پرسکون انداز سے ہاتھ میں پکڑے کپ کی سطح کھرچتے ہوئے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

موی آپی اور ان کے بچوں کے آجانے کی وجہ سے گھر کی رونق میں ایک دم ہی اضافہ ہو گیا تھا۔ ارفع نے اپنا اسٹوڈیو اب خاصا جدید کر لیا تھا۔ اس نے کافی سارے پراجیکٹس جو ادھورے پڑے تھے ان پر کام شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ایک لمحے کے لیے بھی فارغ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ فراغت کے لمحات اس کے لیے بعض دفعہ بہت اذیت ناک بن جاتے تھے۔ اس کا بہترین حل اس نے مصروفیت میں ڈھونڈ لیا تھا۔

اس کی خواتین پر گھریلو تشدد کے حوالے سے بننے والی ڈاکومنٹری پر نیشنل لیول پر ایوارڈ ملا تھا، اور اس کے کام کو خاصی پذیرائی مل رہی تھی۔ وہ دن بہ دن جتنی مصروف ہوتی جا رہی تھی اس کی بہنوں کی پریشانی میں بھی ویسے ہی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اُس دن بھی وہ بیگ کندھے پر ڈالے تیزی سے سیڑھیاں اتر رہی تھی جب کچن سے آتی موی آپی نے اُسے دیکھا۔

"ارفع آج پلیز جلدی گھر آجانا، میں نے شام کی چائے پر کچھ لوگوں کو انوائیٹ کیا ہے......؟؟؟" موی آپی نے سنجیدگی سے اس کے مصروف انداز کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ جو رسٹ واچ کو باندھنے میں الجھی ہوئی تھی ان کی بات پر چونکی۔

"خیریت......؟؟؟ کن لوگوں کو انوائیٹ کر لیا ہے جہاں میری موجودگی ضروری ہے......" اُس نے اپنے لہجے کو سرسری بنا کر پوچھا۔ وہ اب اپنے بیگ سے گاڑی کی چابی ڈھونڈ رہی تھی۔

"آنٹی عفیفہ کے جاننے والے ہیں ان کی دوست کا بیٹا ہے، لڑکے نے سی۔اے کر رکھا ہے اور ملٹی نیشنل کمپنی میں مینجنگ پوسٹ پر ہے، بہت ہینڈسم اور سلجھا ہوا لڑکا ہے، اور اکلوتا ہے۔" ارفع نے سر اٹھا کر الجھن بھرے انداز میں انہیں دیکھا جو آج خاصے سنجیدہ انداز میں تھیں۔ "تو آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہیں۔"؟؟؟ اُس نے بےزاری سے بیگ کی زپ بند کی تھی۔

"تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں، کیونکہ وہ تمہیں دیکھنے آ رہا ہے......"

"کیوں، میں کوئی عجوبہ ہوں یا کوئی تماشا ہوں جسے وہ دیکھنے آ رہا ہے......" ارفع کے حلق تک کڑواہٹ گھلی تھی۔ مومنہ آپی نے سخت ناراض نظروں سے اُسے دیکھا۔ "دیکھو ارفع تم بچی نہیں ہو جو تمہیں ان چیزوں کی سمجھ نہیں ہے، ماما تمہارے لیے کتنی اپ سیٹ تھیں، اب تم ہم سب کو پریشان مت کرو، تمہارے بہنوئی کا پروڈکشن ہاؤس بہت متاثر ہو رہا ہے وہ مزید اسلام آباد نہیں رک سکتے ہمیں کراچی واپس جانا ہے، تم ان چیزوں کو کیوں نہیں سمجھتی......"

"میں سب چیزوں کو سمجھتی ہوں اگر آپ لوگوں کو پرابلم ہے تو آپ لوگ جا سکتے ہیں، کیا مسئلہ ہے......؟"

"مسئلہ تم ہو، ہم تمہیں اکیلی کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔؟" وہ بھڑک گئیں تھیں۔

"میں اکیلی کب ہوں، سارے ملازمین ہیں سب سے بڑی بات کہ رحمت بوا ہیں اور میں تو ویسے بھی اپنے کام میں بزی ہوتی ہوں، مجھے کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اُس کے بے نیاز انداز پر موی آپی چپ گئیں۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے ارفع تمہیں کوئی فرق پڑتا ہو یا نہ پڑتا ہو، ہمیں بہت پڑتا ہے، ہم لوگوں کی بے ہودہ باتیں نہیں سن سکتے، اپنی یہ ساری تقریر تم عفیرہ کے سامنے کرنا، وہ پھر تمہاری طبیعت سیٹ کریں گی۔" ان کا لہجہ درشت اور جھنجھلایا ہوا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ عفیرہ کا وہ کافی لحاظ

کرتی ہے جب کہ ان کے اور سارہ کے ساتھ اس کی بے تکلفی تھی اس لیے ہر بات پر بحث پر اتر آتی تھی۔

''میں خود عفیرہ آپی سے بات کرلوں گی، آپ لوگوں کو میرے حوالے سے لوگوں کی بے ہودہ باتوں پر کان دھرنے کی ضرورت نہیں، جس کو کوئی تکلیف ہے وہ مجھے آکر کہے.....'' ارفع کا منہ سرخ ہوا تھا۔

''لوگ ایسے اقوال زریں آپ کے سامنے نہیں، پیٹھ پیچھے آکر ارشاد فرماتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ تین تین شادی شدہ بہنیں ہیں اور ایک جوان جہان چھوٹی بہن کو اکیلے چھوڑ رکھا ہے۔'' موی آپی پھر سابقہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

''جن لوگوں کو میں اتنی ہمت نہ ہو کہ آپ کے منہ پر آکر بات کرسکیں، میں ایسے لوگوں کی پرواہ نہیں کرتی، اور جن لوگوں کو شام میں چائے پر بلوایا ہے ان سے میری طرف سے معذرت کرلیں، میرا ابھی ایسی نمائشی پریڈ کا کوئی ارادہ نہیں۔'' اپنی بات کر کے وہ رکی نہیں تھی، مومنہ نے اپنے اندر اٹھتی اشتعال کی لہر کو بمشکل دبایا تھا، ارفع کا یہ دوٹوک انداز انہیں سخت ناگوار گذرا تھا۔ وہ غصّے میں اپنے بیڈروم کی طرف بڑھیں ان کا ارادہ تھا کہ وہ آج صاف صاف عفیرہ سے بات کر کے انہیں ارفع کی ہٹ دھرمی کے بارے میں بتائیں گی۔ وہ دوبارہ اس موضوع پر اب خود ارفع سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتیں تھیں۔ انہیں اس پر شدید غصہ تھا، اور ابھی تو شام کو آنے والے مہمانوں کو کس طرح سے ٹالنا تھا، اس سوچ نے ان کی جھنجھلاہٹ اور کوفت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

ارفع کا آج کا سارا دن ہی بے کار گزر رہا تھا، آؤٹ ڈور ریکارڈنگ پر کیمرے میں ہونے والی فنی خرابی نے اس کا موڈ خاصا خراب کر دیا تھا۔ اس کا اسسٹنٹ بھی آج دماغی طور پر غیر حاضر تھا، باقی ٹیم کے لوگ بھی گرمی اور دھوپ کی وجہ سے خاصے بے زار تھے اور بار بار آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے کہ شاید کہیں سے بادل جھومتے جھامتے آہی جائیں۔ وہ گرمیوں کی ایک خاموش سی دوپہر تھی فضا میں عجیب سی بے دلی اور اداسی چھائی ہوئی تھی۔ وہ املتاس کے پیلے پھولوں کے درختوں کے نیچے کھڑی اپنے اسسٹنٹ کو کیمرے سے نبرد آزما ہوتے دیکھ رہی تھی اس کا آج قطعاً بھی آؤٹ ڈور کا پروگرام نہیں تھا لیکن صبح صبح مومنہ آپی کے ساتھ ہونے والی تلخی کے بعد وہ اسٹوڈیو میں بیٹھ کر بھی کوئی کام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے سورج کی مکمل روشنی میں املتاس کے درختوں کے کچھ سین لینے تھے۔ اس لیے بادل نخواستہ آ تو گئی تھی لیکن آکر سخت پچھتا رہی تھی۔ یہ پنڈی کا کوئی گاؤں تھا اور پورے دو گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد وہ لوگ یہاں پہنچے تھے۔

اس نے سامنے پہاڑوں پر پھیلتی دھوپ اور اداسی کے رنگوں کو اپنے دل میں اترتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ وہ ایک بڑے سارے پتھر پر بے تکلفی سے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کی غیر موجودگی میں ان کے ملنے جلنے والے اس کو یا اس کی بہنوں کو بھی ڈسکس کر سکتے ہیں اس کا تعلق جس کلاس سے تھا وہاں کسی کے پاس بھی ایک دوسرے کی ذاتیات کو ڈسکس کرنے کا کہاں وقت ہوتا ہے لیکن یہ اس پر آج ادراک ہوا تھا کہ طبقہ کوئی بھی ہو، لوگ دوسروں کی ذات پر بات کرنے کا وقت کہیں نہ کہیں سے نکال ہی لیتے ہیں، دوسروں کے زخموں کو کریدنا اور ان سے لطف اندوز ہونا تو ویسے بھی کچھ لوگوں کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے، چھوٹی ذہنیت کی کوئی کلاس نہیں ہوتی۔''

''میرا خیال ہے کہ ہمیں چلنا چاہیے، کیمرے کا فالٹ میں کوشش کے باوجود نہیں تلاش کر پایا۔ اب اسے کسی ایکسپرٹ کو دکھاتے ہیں۔''

اس کا اسسٹنٹ ساجد بازو کی پشت سے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے اکتائے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ارفع نے چونک کر اس کی بے زار شکل دیکھی۔

"کیا ہوا ہے ساجد.....؟ طبیعت ٹھیک ہے.....؟" ارفع نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ سے چھجا سے بنا کر اُسے غور سے دیکھا۔

"پتا نہیں میڈم، عجیب سی طبیعت ہوئی ہے، کچھ بھی کرنے کو دل نہیں کر رہا۔" وہ متذبذب انداز میں اپنی انگلیاں چٹخا رہا تھا۔

"گھر میں سب خیریت ہے ناں۔؟" اس نے قدرے محتاط انداز میں پوچھا۔ وہ سب کو ایک فاصلے پر ہی رکھتی تھی۔

"جی خیریت ہے بس، دل ہی ایک عجیب سی ضد پر اترا ہوا ہے، اس کی اپنی ہی منطقیں ہیں، جو چیز اسے بھاتی ہے اس کے لیے خود سے ہزار دلیلیں گھڑ لیتا ہے، اور جو نہ بھاتی ہو وہ ہیرے کی ہی کیوں نہ ہو، دس ہزار برائیاں اس میں سے ڈھونڈ لیتا ہے۔" ساجد بہت عجیب سے انداز میں ہنسا تھا۔ وہ تئیس چوبیس سال کا نوجوان تھا اور پچھلے کچھ سالوں سے ارفع کے ساتھ تھا۔ ارفع بھی خود ترسی میں مبتلا ہوئی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو ساجد ایسا ہی ہوتا ہے لیکن ہم جیسے لوگ جو اپنی باگیں دل کے ہاتھوں میں پکڑا دیتے ہیں، وہ بہت خوار ہوتے ہیں۔ دل پر پاؤں رکھنا سیکھو۔" اُس نے اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے نصیحت کی۔ وہ اب جانے کے لیے تیار تھی۔

"جیسے آپ نے سیکھ لیا ہے۔" ساجد کے منہ سے بے اختیار پھسلا تھا۔ ارفع نے اسے گھور کر دیکھا جو نظریں چرا رہا تھا۔ سب سامان گاڑی میں رکھواؤ، میرا خیال ہے کہ ہمیں نکلنا چاہیے۔" ارفع کا انداز قدرے سخت اور دوٹوک تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ساجد اس کے اور خضر کے بارے میں بہت اچھی طرح جانتا ہے شروع شروع میں اس نے پوچھنے کی بھی کوشش کی لیکن ارفع سے جھاڑ کھانے کے بعد دوبارا اس کی ہمت نہیں ہوئی۔

اس کی گاڑی جب اپنے سیکٹر میں داخل ہوئی اس وقت شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ ڈوبتے سورج کی نارنجی کرنوں نے ماحول کو ایک اداس سا رنگ دے دیا تھا۔ اس کا گھر جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن وہ آ گئی تھی۔ اس کی گاڑی روش سے پورٹیکو کی طرف رواں دواں تھی۔ اپنے گلاسز اتار کر اس نے ڈیش بورڈ میں رکھے اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ اسی وقت ایک بال اڑتی ہوئی اس کے پیروں میں آ گری تھی۔ لش گرین لان سے ایک ڈھائی سالہ انتہائی کیوٹ سی بچی بھاگتے ہوئے اس طرف آئی تھی۔ اس کے پیچھے مومنہ آپی کا چار سالہ بیٹا سنی تھا۔ بچی خاصی صحتمند اور پیاری تھی۔ اُس نے پنک کلر کے اسکرٹ پر سفید ٹاپ پہن رکھا تھا۔ اس کی رنگت سرخ و سفید اور آنکھوں کا رنگ ہیزل گرین تھا۔ اس کے سیاہ سلکی اور گھنے بال ایک پونی میں قید تھے اس کے بالوں میں پنک اور سفید ہی کلر کی خوبصورت پنیں لگیں ہوئیں تھیں۔ وہ اپنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں کو پھیلائے دلچسپی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"ہائے سویٹ ہارٹ"......!!!! اُس نے سنی کے ساتھ اس گڑیا کو بھی پیار کیا اور اشارے سے سنی سے پوچھا۔ "کیا گھر میں گیسٹ آئے ہوئے ہیں۔"

"یس آنی......!!!" سنی نے بال اٹھاتے ہوئے انتہائی مصروفیت بھرے انداز میں جواب دیا۔ اس کا موڈ ایک دم ہی خراب ہوا۔ لگتا تھا کہ مومی آپی نے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود مہمانوں کو بلا لیا تھا۔ ارفع کا چہرہ واضح انداز میں بجھا تھا۔ وہ تھکے تھکے انداز سے اندر بڑھی۔ دروازہ

کھول کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اسے جھٹکا لگا۔ وہ ٹھٹھک کر اپنی جگہ پر ٹھہری۔ اس کی نگاہوں میں سخت حیرت اور استعجاب جھلک رہا تھا۔ اس کا دل پوری رفتار سے دھڑکا تھا۔ سامنے صوفے پر تھکے تھکے انداز میں نیم دراز خضر کو دیکھ کر اس کے قدم ساکت ہو گئے تھے۔ اس کے بالکل پاس سنگل صوفے پر انتہائی خاموشی سی مومنہ آپی بیٹھیں تھیں۔ ارفع چند لمحے یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں کھڑی رہی، پھر اس نے بہت سرعت سے خود کو سنبھالا تھا۔

''اسلام علیکم، کیسی ہو ارفع......؟؟؟'' خضر کی بھاری اور مدبر آواز آج پورے ساڑھے تین سال بعد اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

''وعلیکم سلام...... کیسے ہو......؟؟؟'' اس نے حلق میں اٹکتے گولے کو بمشکل نگلا تھا۔ بھاری قدموں کے ساتھ صوفے تک پہنچنا ایک دشوار کن مرحلہ تھا اور ان مشکل ہی سے کیا تھا۔ وہ بالکل اس کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئی تھی اس نے ایک نظر میں ہی دیکھ لیا تھا وہ خاصا کمزور ہو گیا تھا اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بھی نمایاں تھے۔ اس کا دل ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔

''تم کب آئے پاکستان......؟'' وہ خود پر قابو پا کر اعتماد سے بولی۔

''میں صبح دس بجے آیا تھا اب تو آئے ہوئے بھی آٹھ نو گھنٹے ہو گئے ہیں......'' وہ اب سنبھل کر بیٹھ گیا تھا اور بغور اُسے دیکھ رہا تھا۔ ارفع کو اس کی نظروں کا ارتکاز کرب میں مبتلا کر رہا تھا۔ مومی آپی خاموشی سے اٹھ کر چلی گئیں تھیں۔ دونوں کو ہی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ گفتگو کا آغاز کہاں سے کریں۔ ایک بوجھل سی خاموشی کا وقفہ درمیان میں آیا تھا۔ اس وقفے کو خضر نے ہی ختم کیا تھا۔

''میری بیٹی فاطمہ سے ملی ہو تم......؟؟؟''

''ہوں، ماشاء اللہ بہت کیوٹ ہے......'' ارفع نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہت زیادہ شرارتی ہے، پلوشہ کی ڈیتھ کے بعد اسے سنبھالنا میرے لیے بہت مشکل مرحلہ تھا......'' وہ اتنے سادہ انداز میں بتا رہا تھا کہ ارفع کو سوواٹ کا جھٹکا لگا۔

''پلوشہ کی ڈیتھ......؟؟؟'' ارفع ششدر رہ گئی۔ اُسے لگا اسکی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی ہے۔ ''کب ہوئی اس کی ڈیتھ......؟ تم نے بتایا ہی نہیں......؟؟؟'' وہ دم بخود اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ جب کہ وہ انتہائی آزردگی اور تاسف بھرے انداز سے گلہ کر رہا تھا ''تم لوگوں نے ناما کے انتقال کا مجھے بتایا تھا......؟'' اس کی آنکھوں میں افسوس، دکھ اور شکوؤں کا ایک طوفان تھا۔ ''مجھے ان کی وفات کے چھ ماہ بعد نتاشا نے بتایا، تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ مجھے کتنا شاک لگا تھا، میں کتنے ہی ماہ اس صدمے سے نکل ہی نہیں پایا کہ تم لوگوں نے مجھے اتنا غیر سمجھا، میں اسی دنیا میں تھا، میرا سیل نمبر تبدیل ہوا تھا لیکن ای میل ایڈریس، پوسٹل ایڈریس سب کچھ تو وہی تھا'' وہ آزردہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ ارفع انداز کر سکتی تھی کہ وہ اس وقت کتنی اذیت سے گزرا ہو گا۔ وہ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بے سبب صوفے کی ہتھیلی پر لکیریں کھینچ رہی تھی۔ اس کا دماغ ابھی تک سائیں سائیں کر رہا تھا۔ پلوشہ کی موت کی اطلاع اس کے لیے انتہائی شاکنگ تھی اور اس سے بری بات یہ تھی کہ خضر نے ان میں سے کسی کو نہیں بتایا تھا۔ اُسے صحیح معنوں میں اس کے کرب کا اندازہ ہوا تھا۔ وہ تو ویسے بھی ناما کا بہت لاڈلہ تھا۔ بڑی مشقت سے سانس کھینچ کر اس نے خود کو توانائی فراہم کی تھی۔

''بس ماما کی اچانک ڈ-یتھ نے اتنا بوکھلا دیا کہ کئی ماہ تک ہمیں خود بھی ہوش نہیں آیا تھا، سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا ہوا ہے؟ اس کے بعد سوچا کہ تمہیں بتا دوں پھر خیال آیا کہ تم اپنی بیمار بیوی کو دیارِ غیر میں چھوڑ کر کیسے آؤ گے.....؟؟'' اس نے بمشکل صفائی دی تھی۔

''پلیز ارفع، میرے ساتھ کم از کم جھوٹ مت بولو، مجھے اچھی طرح سے اندازہ ہے کہ تم اپنی زندگی کی کتاب سے میرے نام کے سارے صفحات ہی پھاڑ چکیں تھیں، تم لوگوں نے دانستہ طور پر مجھے نہیں بتایا'' وہ تھوڑا سا تلخ ہوا۔

''ہاں پھر تم نے بھی دانستہ طور پر ہمیں نہیں بتایا، ہے ناں.....؟'' ارفع نے فوراً اس کی بات قطع کی۔ ''یہ ایسے ادلے بدلے لینے تم نے کب سے شروع کر دیے خضر.....؟'' اس کی بات پر وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں بے بسی صاف جھلک رہی تھی۔

''میری تو مجبوری تھی، ایک ڈر اور خوف تھا کہ پلوشہ کو ماما جانتی تھیں، عفیرہ آپی نے بھی دیکھ رکھا تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ میری بیوی ہے، میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی موت کے بعد بھی کوئی اس کے بارے میں غلط کمنٹس دے۔'' اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔

''خضر کیا تمہیں ہم لوگ اتنے جاہل لگتے تھے کہ کسی مرے ہوئے بندے کے بارے میں غلط کمنٹس دیتے، یہ سب تمہارے خود ساختہ خوف تھے، جب کہ تمہیں اس بات کا بھی اچھی طرح اندازہ تھا کہ سب جانتے ہیں کہ تم سے شادی سے انکار میں نے کیا تھا۔ اس کے بعد تم جس مرضی ایکس وائے زیڈ سے شادی کرتے، ان کو اس سے کیا فرق پڑنا تھا۔'' طیش کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی اور سارے وجود پر چھا گئی تھی۔ تب ہی تو اس کے انداز میں تلخی رچی بسی تھی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو ارفع، وہ سب میرے خود ساختہ خوف تھے، میں نے پلوشہ سے شادی تو کر لی تھی لیکن ساری زندگی اس خوف سے نہیں نکل پایا کہ ماما اور عفیرہ آپی کو نہ پتا چل جائے، حالانکہ اگر ان کو پتا چل بھی جاتا تو کیا ہو جاتا.....'' وہ زبردستی مسکرایا تھا۔

''کیا ہوا تھا پلوشہ کو.....؟؟؟'' لفظ اس کے حلق سے بمشکل برآمد ہوئے تھے۔

''نروس بریک ڈاؤن.....!!!'' ایک تاریک سایہ اس کے چہرے پر لہرایا۔ ''بہت حساس دل لڑکی تھی، جتنا عرصہ زندہ رہی، اُس کو یہ ہی لگتا رہا کہ میں نے اس سے شادی کر کے شاید دنیا کا سب سے عظیم اور انوکھا کام کیا ہے، وہ مجھے بار بار کہتی تھی کہ میں دوسری شادی کر لوں، کیونکہ اُسے لگتا تھا کہ شاید میرے ساتھ یہ ظلم ہوا ہے۔ وہ لوگوں کے رویوں اور سوالات سے بہت عاجز تھی۔۔ اور جب فاطمہ پیدا ہوئی تو ہم نے فلپائنی آیا رکھ لی کیونکہ فاطمہ نے جیسے ہی ہوش سنبھالا وہ اس کے پاس آنے سے جھجکتی تھی۔ یہ بات اُسے بہت تکلیف دیتی تھی۔ ایک رات جب سوئی تو اس سے اگلے دن بیدار ہی نہیں ہوئی۔'' اس کی آواز اتنی مدھم تھی کہ وہ بمشکل ہی سن پائی تھی۔

''کتنا عرصہ ہو گیا اس کی ڈ-یتھ کو.....؟؟؟'' ارفع نے تاسف بھری نظروں سے اُسے دیکھا۔

''چھ ماہ ہونے کو ہیں، فاطمہ کی دوسری سالگرہ سے تین ماہ بعد۔''

''تو تم نے اتنی چھوٹی بچی کو اکیلے کیسے سنبھالا.....؟'' اس نے اپنی حیرت پر قابو پا کر سوال کیا۔

''سب کچھ ہی ہو جاتا ہے، وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ اس کی آیا ساتھ تھی لیکن پھر وہ بھی واپس اپنے ملک چلی گئی، اب پچھلے دو ماہ سے

میں خود سنبھالتا ہوں۔'' اس کی آنکھوں کے کنارے سرخ ہو رہے تھے۔

''سب دوستوں نے سمجھایا کہ پاکستان واپس چلے جاؤ، وہاں کوئی نہ کوئی بندوبست ہو جائے گا، کیونکہ وہ اب بڑی ہو رہی ہے اور اسے بعض دفعہ بہلانا بہت مشکل لگتا ہے۔ اس لیے یہاں آیا ہوں اور موی آپی سے کہا ہے کہ رحمت بوا کو بھیج دیں، لیکن وہ کچھ تذبذب کا شکار ہیں۔'' وہ تھوڑا سا پریشان تھا۔ اسی وقت دروازہ کھلا، فاطمہ اور سی ایک دوسرے کے پیچھے داخل ہوئے، فاطمہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا وہ خالصتاً برطانوی لہجے میں انگلش میں اپنے پاپا کو روبن چڑیا کے بارے میں بتا رہی تھی جو اس نے لان میں دیکھی تھی۔ وہ خاصی پر اعتماد بچی تھی۔ اس کا اندازہ ارفع کو اس کی گفتگو سے ہو گیا تھا۔ اس کے مقابلے میں سی خضر کی وجہ سے کچھ جھجک رہا تھا۔

''خضر میں نے رحمت بوا سے بات کی ہے، وہ چلی جائیں گی لیکن ابھی فی الحال تم اپنے ڈرامے بند کرو، تمہارا کمرہ میں نے سیٹ کروادیا ہے اور خبردار تم نے دوبارا فلیٹ فلیٹ کی رٹ لگائی۔ اتنے عرصے سے بند ہے وہاں تو اب دھول اُڑ رہی ہوگی۔ میں ملازمین کو بھجوا کر صفائی کروادوں گی لیکن تم ابھی سکون سے یہیں رہو۔'' موی آپی اپنی بیٹی کا فیڈر ہلاتے ہوئے اندر آئیں تھیں۔

''رحمت بوا مان گئیں ہیں ناں؟'' وہ ابھی تک بے یقینی کا شکار تھا۔

''ہاں بھئی، اب کیا اسٹامپ پیپر پر لکھوا کر لاؤں۔'' وہ تھوڑا سا برا مان گئیں تھیں۔

''تھینکس گاڈ، آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ آپ نے میری کتنی بڑی مشکل آسان کر دی۔'' وہ کچھ پرسکون ہوا۔

''ویسے خضر لگتا ہے کہ تمہاری بیوی خاصی خوبصورت تھی، تمہاری بیٹی نے سوائے تمہاری کھڑی ناک کے علاوہ کوئی بھی نقش نہیں لیا۔'' موی آپی بے تکلفی سے کہہ رہیں تھیں۔ ان کی بات پر خضر نے بے ساختہ نظریں چرائیں تھیں۔ ارفع کو ایک شدید سی بے چینی نے گھیر لیا تھا۔ اس نے بہت غور سے اس معصوم سی گڑیا کی شکل کو غور سے دیکھا تھا۔ وہ اس کے بالکل سامنے کھڑی مسکرا مسکرا کے دیکھ رہی تھی۔ ارفع نے اس کے پھولے پھولے گالوں کو آہستگی سے چھوا تھا۔ وہ تھوڑا سا شرما گئی۔

''یہ بہت شرارتی ہے موی آپی، میرے سونے کے بعد خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل جاتی ہے اور لان میں گلہریوں کے پیچھے بھاگتی ہے، مٹی میں سارے کپڑے گندے کر لیتی ہے۔'' وہ بہت محبت سے بتا رہا تھا۔

''سارے بچے ہی بہت شرارتی ہوتے ہیں، تم کون سا کم تھے، بھری دوپہر میں ارفع کو لے کر باہر نکل جاتے تھے ایک دفعہ یاد نہیں، تم دونوں بچپن میں گم ہو گئے تھے اور پھر مختلف علاقوں میں لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرایا تھا۔'' موی آپی نے ہنستے ہوئے یاد دلایا تھا۔ وہ ہنستے ہنستے ایک دم خاموش ہوا تھا۔ ارفع کے لیے بھی وہاں بیٹھنا دشوار ہو گیا تھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ دل کو ایک بے چینی سی لاحق تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ کبھی ایسے واپس بھی آسکتا ہے اس کا دل ابھی تک پلوشہ کی موت کی حقیقت کو ماننے سے انکاری تھا۔ وہ لڑکی کیسے مر سکتی تھی جس کو اتنی محبت کرنے والا شخص ملا ہو، خضر نے اس کو دل و جان سے اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔ اس کے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ وہ شاور لے کر جو لیٹی تو اسے فوراً ہی نیند آگئی۔ موی آپی جو کھانے کے لیے اُسے بلانے آئیں تھیں، اسے گہری نیند میں دیکھ کر پھر واپس چلی گئیں۔

اگلے تین دنوں کے لیے اُسے پشاور جانا پڑ گیا تھا۔ وہ وہاں خاصی مصروف رہی۔ واپس آئی تو موی آپی ہی سے اُسے پتا چلا کہ خضر آج کل کوئی فیکٹری لگانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہا ہے۔ اس وجہ سے وہ بھی خاصا بزی تھا۔ فاطمہ کی دیکھ بھال ابھی موی آپی اور رحمت بوا ہی کر رہی تھیں۔

''خضر کی بیٹی ماشاء اللہ بہت ذہین ہے، بہت باتیں کرتی ہے۔'' کھانے کی میز پر موی آپی اسے بڑے خوشگوار انداز میں بتا رہی تھیں۔ وہ خاموش رہی۔

''میں نے خضر سے کہاں کہ یہ بالکل تم گئی ہے اور لگتا ہے کہ تمہاری طرح ایک بونڈ اسنکر پرسن بنے گی۔'' موی آپی ان لوگوں کے آنے کی وجہ سے خاصی خوش تھیں اس کا اندازہ ان کی باتوں اور لہجے سے بخوبی ہو رہا تھا۔

''وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ ارفع نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی، اور یہ کہ اُسے کسی اچھے انسان سے شادی کر لینی چاہیے۔'' چکن جلفیریزی کے ڈونگے کی طرف بڑھتا ہوا اس کا ہاتھ فضا میں معلق ہوا۔ ایک ناگواریت کا بڑا گہرا تاثر بڑے واضح انداز میں اس کے چہرے سے جھلکا تھا۔

''کیوں، اس کو میری شادی ہونے یا نہ ہونے سے کیا پرابلم ہے؟ یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے، وہ کون ہوتا ہے ایسا کہنے والا۔'' اُس نے ہاتھ میں پکڑا چمچ پلیٹ میں پٹخا تھا۔ موی آپی نے سخت حیرت سے اُس کا ردِعمل دیکھا۔

''کیا ہو گیا ارفع، وہ ہمارا فرسٹ کزن ہے، اور پھر تمہارا وہ بیسٹ فرینڈ رہا ہے، اس میں اتنا زیادہ مشتعل ہونے کی کیا بات ہے......؟'' موی آپی نے تحمل بھرے انداز سے اس کا سرخ چہرہ دیکھا تھا۔ وہ ابھی دو گھنٹے پہلے ہی پشاور سے آئی تھی اس لیے تھکن اس کے ہر انداز سے نمایاں تھی۔

''وہ میرا فرسٹ کزن ہے میں اس حقیقت کو رد نہیں کر رہی، لیکن شادی میرا بالکل ذاتی مسئلہ ہے، اس میں مجھے کسی کی بھی مداخلت پسند نہیں، خواہ وہ خضر حیات ہی کیوں نہ ہو۔'' وہ کرسی گھسیٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ڈائننگ روم میں آتے خضر نے بڑے تعجب اور حیرت سے اس کا یہ آخری جملہ سنا تھا۔ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ واپس پلٹتے ہوئے وہ ایک لمحے کو ٹھٹکی اور اگلے ہی لمحے وہ تیر کی طرح سے وہاں سے نکلی تھی۔

''اسے کیا ہوا......؟'' وہ ہاتھ کے اشارے سے پوچھ رہا تھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا، اور کیا ہوتا ہے۔'' موی آپی بھی تلملا کر بولیں تھیں۔ ارفع کا یہ انداز انہیں آج کل خوب بھڑکا رہا تھا۔

''ٹیک اٹ ایزی......!!! وہ ان کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔'' آپ آرام اور سکون سے بات کریں، آپ کو پتا تو ہے کہ وہ کتنی جذباتی اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھڑک جاتی ہے۔

''یہ چھوٹی بات نہیں ہے، تم سے شادی سے انکار اس نے خود کیا، ہم سب نے سمجھایا۔ لیکن اس نے اپنی ہٹ دھرمی نہیں چھوڑی۔ ماما اس کی وجہ سے اتنا اپ سیٹ رہیں، اب اس نے مجھے تنگ کر رکھا ہے۔''

موی آپی اس سے حد درجہ بے زار تھیں اس کا اندازہ ان کے لہجے سے خضر کو بخوبی ہو رہا تھا۔ اُسے حد درجہ شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک لمحے کو اس کا دل چاہا کہ وہ موی آپی کو اصل حقیقت بتا دے، لیکن پھر مصلحتاً چپ رہا۔

شام کو وہ کافی کا مگ اٹھائے لان میں آیا تو وہ سامنے سیڑھیوں پر بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اُس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا

تھا۔ ارفع نے ایک لمحے کو چونک کر اُسے دیکھا اور سامنے لان میں لگے فوارے پر نظر جما دی تھی۔

''ارفع میں نے سوچا ہے کہ میں موی آپی، عفیرہ آپی اور سارہ کو اصل بات بتا دوں، وہ جو ہر وقت تمہیں الزام دیتی رہتی ہیں یہ سلسلہ تو ختم ہو......'' وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر بولا تھا۔

''اس سے کیا ہوگا......؟؟؟'' اس کا انداز خضر کو بہت سپاٹ لگا تھا۔

''اس سے کم از کم ان کو حقیقت تو پتا چلے گی ناں، وہ اصل بات نہیں جانتیں، اور دوسرے میرے ضمیر کا بوجھ کم ہو جائے گا۔'' اُس کی آواز دھیمی ہوئی۔

''پھر کیا ہوگا......؟؟'' وہ تھوڑا سا تلخ ہوئی۔ ''وہ اس کارنامے پر تمہیں کوئی ایوارڈ دیں گی یا مجھے اتنی بڑی بات آسانی سے سہہ جانے پر کوئی میڈل دیں گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ سب پنجے جھاڑ کر تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے، کسی کو یہ یاد نہیں رہے گا کہ تم نے کوئی نیکی کی تھی، سب کو میرا دکھ یاد رہے گا۔ اس کے بعد ایک اور تماشا شروع ہو جائے گا، مجھ پر نہ سہی، اپنی معصوم بیٹی پر رحم کھاؤ، یہاں کسی کا ظرف اتنا بڑا نہیں ہے۔'' وہ ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ زمین پر رکھ کر اس کا دھواں دھواں چہرہ غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھا۔

''یہ جو موی آپی تمہاری بیٹی پر ممتا لٹاتی پھر رہی ہیں ناں، اس حقیقت کو جاننے کے بعد سب سے زیادہ اس کے اور اس کی مری ہوئی ماں کے خلاف زہر اگلیں گی۔ خضر حیات اب جذباتیت چھوڑ دو، زندگی اتنی آسان نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تین گھنٹے کی کوئی فلم ہے۔ جس کے بعد سب اچھا ہو جاتا ہے۔'' اس کے انداز میں محسوس کی جانے والی ناراضگی کی جھلک تھی۔

''ٹھیک ہے پھر تم شادی کر لو، کیوں اپنا وقت ضائع کر رہی ہو۔'' خضر نے اچانک کہا تھا۔

''تمہیں کس نے کہا کہ میں اپنا وقت ضائع کر رہی ہوں؟'' اس نے کڑے انداز سے اسے دیکھا نہیں گھورا تھا۔

''تو پھر یہ کیا ہے؟ پراجیکٹس، ڈپلومے، ڈاکومینٹریز خود کو اتنا بزی کر رکھا ہے، جب شادی کرنی ہی ہے تو وقت پر کر لو۔ کم از کم ہم سب کی ٹینشن تو ختم ہو۔'' وہ بھی تھوڑا سا ناراض ہوا۔

''تو تم سب لوگوں کو کس نے کہا ہے کہ میری ٹینشن لو، تم سب کے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟ مجھے جو کام کرنا ہے، میں کر لوں گی، مجھے تم سب لوگوں کی ڈکٹیشن کی ضرورت نہیں۔'' اس نے انتہائی غصے سے اپنا رخ قدرے موڑ کر چائے کا مگ اٹھا لیا تھا۔

''ہم تمہیں ڈکٹیٹ نہیں کر رہے ارفع، ہم سب کو تم سے محبت ہے اور تمہارا بھلا چاہتے ہیں۔'' اس نے خود پر قابو پا کر تحمل سے کہا تھا۔

''تم خود کیوں نہیں دوسری شادی کر لیتے، جب کہ تمہاری بیٹی کو تو ضرورت بھی ہے۔'' تلخی اس کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔ وہ اس کی بات پر زبردستی مسکرایا۔

''میں ایک تجربے کے بعد جان چکا ہوں کہ میں ایک اچھا شوہر نہیں بن سکتا۔ میں اپنی تمام تر کوشش اور محبت کے باوجود جب بلوشہ کو خوش نہیں رکھ پایا تو کسی اور کو کیا رکھ پاؤں گا۔'' اس کا چہرہ تناؤ کا شکار ہوا تھا۔

''تمہیں کس نے کہا کہ وہ تم سے خوش نہیں تھی......؟؟'' ارفع نے کھوجتی نظروں سے اُسے دیکھا۔

''ہر بات کہنے والی تھوڑی ہوتی ہے، اُسے میری محبت مجبوری اور ترس کے ریپر میں لپٹی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اس لیے وہ اکثر خود کو گلٹی محسوس کرتی تھی، یہی وہ سوچیں تھیں جنہوں نے اس کی زندگی کی ڈور کو ختم کر دیا۔ میرے ساتھ خوش ہوتی تو کیا اُسے نروس بریک ڈاؤن ہوتا۔؟؟؟''

وہ استہزائیہ انداز میں ہنستے ہوئے اپنا مذاق اڑا رہا تھا۔ ارفع نے بے ساختہ ہی اپنی نظریں اس سے چرائی تھیں۔

''بابا، یہ میری بٹر فلائی مر گئی......'' فاطمہ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لیے بھاگتے ہوئے آئی تھی، وہ اپنا ہاتھ کھول کر مری ہوئی تتلی باپ کو دکھا رہی تھی۔ اس کے پیچھے مومی آپی کا بیٹا بھاگتا ہوا آیا تھا۔ اس کا سانس بے ربط تھا۔

''انکل میں نے اسے منع کیا تھا کہ اسے زور سے مت پکڑو، لیکن یہ کہتی تھی کہ میں اسے پیار کر رہی ہوں، اس نے زور سے پکڑا اور بٹر فلائی مر گئی۔'' سنی نے جلدی جلدی وضاحت کی۔

''بابا پیار کرنے سے بھی کوئی مرتا ہے کیا......؟؟؟'' فاطمہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ ارفع نے بے ساختہ ہی اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔ ارفع کے ساتھ لگانے پر وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔

''ہاں بیٹا، کچھ لوگ پیار کرنے سے بھی مر جاتے ہیں جیسے آپ کی ماما......'' خضر کے لہجے سے بے ساختہ ہی دکھ جھلکا تھا۔

''خضر...... یہ کوئی بات ہے بھلا بچوں سے کرنے والی......'' ارفع نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ خضر نے زخمی نگاہوں سے اُسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے اپنا سر گھٹنوں میں دے لیا تھا، وہ دانستہ خاموش رہا تھا۔ ارفع نے بہت جلدی فاطمہ کو بہلا لیا تھا۔ وہ کچھ ہی دیر بعد دوبارا ایک اور تتلی کی تلاش میں سنی کے ساتھ نکل گئی تھی۔

''خضر تم شادی کر لو، اپنے لیے نہ سہی اپنی بیٹی کے لیے......'' وہ خلوص دل کے ساتھ بہت نرمی سے کہہ رہی تھی۔

''تم کرو گی مجھ سے شادی......؟؟؟'' وہ بہت بے رحم انداز کے ساتھ اُسے دیکھ رہا تھا۔ ارفع نے بے ساختہ ہی نظریں چرائی تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ ان دونوں کی زندگی میں آنے والی ایک خوبصورت سی کاسنی شام تھی۔ایسی شام جس کے دامن میں کوئی ہجر کی رات نہ تھی۔آسمان پر بادل ایک دوسرے کے پیچھے اٹکھیلیاں کرتے پھر رہے تھے۔ٹھنڈی ہوا کے نم جھونکے بتا رہے تھے کہ نزدیک ہی کہیں بارش ہو رہی ہے۔ویسے بھی ساون کی بے وقت کی بارشوں کا بھی کہاں پتا چلتا ہے۔بہت عرصے کے بعد ساون ان دونوں کو اچھا لگا تھا۔ہلکی ہلکی کن من سی شروع ہوئی تھی۔ان کی گاڑی ائیر پورٹ کی حدود میں داخل ہو گئی تھی۔بلیو جینز پر سفید کرتا پہنے سیاہ گلاسز میں وہ آج پہلے سے کہیں زیادہ پرکشش اور جاذب نظر لگ رہی تھی۔اس کے چہرے پر ممتا کا نور اس کی دلکشی میں مزید اضافے کا باعث بن رہا تھا۔اس نے دائیں کندھے پر سفید رنگ کا ایک اسٹائلش سا بیگ لٹکا رکھا تھا۔اس نے بائیں ہاتھ سے اپنی چار سالہ کیوٹ سی بیٹی کا ہاتھ تھام رکھا تھا جس نے پنک کلر کا اسکرٹ پہن رکھا تھا۔بچی نے جو چیزیں پہن رکھی تھیں ان میں میچنگ کا عنصر نمایاں تھا۔وہ اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھما کر ائیر پورٹ پر لوگوں کی چہل پہل دیکھ رہی تھی۔اس کے ساتھ بلیک پینٹ اور گرے کلر کی شرٹ میں اس کا باپ تھا۔جس نے اپنی گود میں اپنے چھ ماہ کے بیٹے کو اٹھا رکھا تھا۔وہ دائیں ہاتھ سے اپنا ٹرالی بیگ کھینچتا ہوا لا رہا تھا۔اس کے چہرے پر بڑی پرسکون مسکراہٹ تھی۔وہ بہت عرصے بعد کھل کر مسکرا رہا تھا۔

اس نے دیکھا تھا اس کی بیٹی نے ماں سے ہاتھ چھڑا لیا تھا اور وہ سامنے ایک کپل کے ساتھ جانے والی تین سالہ بچی کی طرف بھاگی تھی ،جس کے ہاتھ میں ایک کلر فل سی بال تھی۔

''فاطمہ،فاطمہ،واپس آؤ بیٹا......'' اس کی ماں اسے بلا رہی تھی۔جب کہ وہ اس بچی کے ساتھ بڑے دوستانہ انداز میں ہاتھ ملا رہی تھی۔

''بہت شرارتی ہو گئی ہے یہ......'' وہ انتہائی محبت بھرے انداز سے اپنے شوہر کو شکایت لگا رہی تھی۔ان دونوں کی آج لندن کے لیے فلائیٹ تھی۔وہ لوگ چھٹیاں گذارنے کے لیے تین ماہ کے لیے باہر جا رہے تھے۔

''بُری بات فاطمہ،بال واپس دو......'' اس نے اپنی بیٹی کو ڈانٹا تھا جو کہ دوسری بچی سے زبردستی بال لے چکی تھی۔وہ دونوں اس کپل کے پاس پہنچ چکے تھے جو کہ انتہائی خوشگوار انداز سے فاطمہ کی شرارتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے جب کہ ان کی اپنی بیٹی منہ بسور رہی تھی۔اُسے اپنی بال فاطمہ کے ہاتھ میں بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

''آئی ایم سوری......!!!''اس کی ماں نے مچلتی ہوئی فاطمہ کے ہاتھ سے بال زبردستی لے کر اس بچی کو تھمایا تھا۔

''اٹس۔اوکے......!!!''اس بچی کی ماما نے مسکراتے ہوئے مزید کہا۔''آپ کی بیٹی ماشاءاللہ بہت کیوٹ ہے بالکل آپ کی طرح۔''

''تھینکس......!!!'' وہ خوشدلی سے ہنسی۔

''آپ کی بیٹی کی شکل آپ سے بہت ملتی ہے......'' وہ خاتون مزید کہہ رہی تھی۔اس کی بات پر اس نے چونک کر اپنے شوہر کو دیکھا جو قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''واقعی،مجھ سے ملتی ہے......؟؟'' وہ سخت حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''آف کورس......!!!'' وہ دونوں میاں بیوی اکٹھے بولے تھے۔ان کی بات پر وہ بھی کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔اس کپل نے خوشگوار حیرت

سے اُس کے شوہر کو دیکھا جو انتہائی محبت بھرے انداز سے کہہ رہا تھا "ارفع تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا......"؟؟؟

"مجھے یقین ہے خضر، کہ میری بیٹی کی شکل مجھ سے بہت ملتی ہے۔" اس نے فاطمہ کے ماتھے کا بوسہ لیتے ہوئے بہت اطمینان سے کہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر اس قدر روشنی تھی کہ خضر کے لیے اس کے چہرے سے نظریں ہٹانا انتہائی دشوار لگ رہا تھا۔ وہ اس کی پہلی محبت تھی۔ اس کی قسمت میں لکھے ہجر کے سالوں کے بعد ملنے والا ایسا ستارہ، جو اس کی زندگی میں بالآخر روشنی لے آیا تھا۔ جہاز کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے کو بارش کی بوچھاڑ سے بچایا تھا۔ جو بارش کی قطروں کو محسوس کر کے قلقاریاں مار رہا تھا۔

پہلی دفعہ خضر حیات کو جہاز میں اپنے ساتھ بیٹھی ارفع عزیز کو دیکھ کر اس حدیث قدسی کا مفہوم سمجھ میں آیا تھا۔

"اے ابن آدم! ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے، پر ہوگا تو وہی جو میری چاہت ہے۔ پس اگر تم نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا اس کے، جو میری چاہت ہے تو میں تجھے وہ بھی دوں گا، جو تیری چاہت ہے اور اگر تو نے مخالفت کی اس کی، جو میری چاہت ہے، تو میں تھکا دوں گا تجھے اس میں جو تیری چاہت ہے۔ پھر ہوگا وہی جو میری چاہت ہے......"

جہاز ٹیک آف کر چکا تھا۔ اُس نے اطمینان اور سکون سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی اُسے لگا تھا کہ وہ ایسا ابن آدم ہے جسے اپنی گمشدہ جنت واپس مل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

بنتِ حوا

''وہ موسم سرما کی ایک دلفریب، خوبصورت اور سنہری سہ پہر تھی۔ فضا میں جنگلی پھولوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ دھیمی رفتار سے چلتی ہوا کی خنکی دھیرے دھیرے بدن کو چھو رہی تھی۔ اسلام آباد کی ایک معروف سڑک ابن سینا پر بنے اُس سفید ٹائلوں سے بنے بنگلے کی دلکشی اکثر وہاں سے گذرنے والوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کروا لیتی تھی۔ اس بنگلے کے اوپر والے پورشن کو ارغوانی اور سفید بوگن ویلیا کی بیلوں نے دائیں بائیں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اپنے منفرد انٹیریر کی وجہ سے یہ گھر دور ہی سے بہت دلکش لگتا تھا۔ آج کل لان میں لگے درختوں نے خزاں کا پیراہن زیب تن کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے زرد، سرخ، ارغوانی رنگوں کے پتے لان کے ساتھ ساتھ پورے ٹیرس میں بھی بکھرے رہتے، حالانکہ حریم دن میں کئی دفعہ ملازمہ سے جھاڑو لگواتی تھی۔''

''اس وسیع و عریض ٹیرس میں سیاہ آبنوسی لکڑی کا بڑا خوبصورت، دیدہ زیب اور منفرد انداز کا جھولا رکھا ہوا تھا۔ جو اکثر وہاں سے گذرنے والے لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ یہ اچھے وقتوں میں بیگم صالحہ نے خصوصی آرڈر پر چنیوٹ سے بنوایا تھا۔ اس کے اندر والی سیٹ پر لگے فوم پر ویلوٹ کی پوشش کی گئی تھی۔ اس منقش بیلوں والے جھولے میں ایک ہی وقت میں چار لوگ بڑے آرام کے ساتھ بیٹھ سکتے تھے۔''

''حریم کے کمرے سے ملحقہ اس ٹیرس میں گرل کے ساتھ سفید سنگ مرمر کے گملے ایک ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ جس نے اس حصے کی خوبصورتی کو دگنا کر دیا تھا۔ اعجاز صاحب کی زندگی میں اس گھر میں خوب رونق ہوتی تھی۔ ان کی وفات کے بعد اس گھر کے دو مکین کوئی بھی احتجاج کیے بغیر اوپر والے پورشن میں منتقل ہو گئے تھے۔ اس لیے وہاں اکثر تنہائی اور اُداسی کا راج رہتا تھا۔ خاموشیاں اس پورشن کے در و بام پر لپٹی رہتی تھیں۔''

''کبھی کبھار نچلے پورشن سے اعجاز صاحب کی دو بہوؤں کے بچے اپنی اپنی ماؤں سے نظر بچا کر چلے آتے تو ایسے لمحات میں حریم اعجاز کو یہاں زندگی رقص کرتی ہوئی محسوس ہوتی تھی لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ بچوں کو اپنے گھر کے اس حصے میں مقیم فالج زدہ دادی اور کم گو سی اکلوتی پھپھو میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی تھی۔ ان کی توجہ کا مرکز محض وہ ٹیرس تھا جہاں سے وہ آسانی کے ساتھ کیریاں، بیر اور شہتوت توڑ سکتے تھے۔

ٹیرس کے دائیں جانب لگی گرل کے ساتھ سرسبز و شاداب انگوروں کی بیل اوپر کو جاتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ جس کی شاخیں صبا کے مرمریں جھونکوں سے بھی جھومنے اور رقص کرنے لگتی تھیں۔ یہاں سے مارگلہ کی پہاڑیوں کا دلفریب نظارہ اکثر نئے آنے والے لوگوں کو مبہوت کر دیتا تھا۔''

اس نے کافی کے کپ سے آخری سپ لے کر ایک لمبی انگڑائی لی تھی...... جھولے پر آلتی پالتی مارے انداز میں وہ لیپ ٹاپ گود میں رکھے بڑی سہولت سے بیٹھی تھی۔ پچھلے تین گھنٹے سے وہ موسم سرما کی نرم گرم دھوپ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے برٹنی اسپیکر کے سونگ بھی سن رہی تھی۔ برٹنی اسپیئر کی آواز اور اس کے گانے ہمیشہ ہی سے حریم کی کمزوری رہے تھے۔

گلابی کیوٹکس سے سجے اس کے ہاتھ بڑی سرعت کے ساتھ اپنے لیپ ٹاپ کے کی پیڈ پر چل رہے تھے۔ ناخن لمبے لیکن گولائی میں بڑی

نفاست کے ساتھ تراشے ہوئے تھے۔حریم کا رنگ گندمی تھا لیکن اس میں ایک سنہراپن سا جھلکتا تھا۔ وہ بہت خوبصورت لڑکی نہیں تھی لیکن اس کی شخصیت میں ایک عجیب طرح کی تمکنت اور بے نیازی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں اُداسی کا ایک سمندر آباد تھا جو مدِ مقابل کو ایک لمحے کو ٹھٹھکنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ایسے گماں ہوتا تھا جیسے سمندر اُداس ہو۔

وہ ایک پرائیویٹ کالج میں کمپیوٹر سائنس پڑھاتی رہی تھی ،لیکن اعجاز صاحب کی اچانک وفات اور صالحہ بیگم کی بیماری وجہ سے اس نے نوکری کو خیر آباد کہہ دیا تھا۔سارا وقت گھر میں رہنے کی وجہ سے بعض دفعہ وقت کاٹنا اس کے لیے عذاب بن جاتا تھا۔بیگم صالحہ تو اکثر ادویات کے زیر اثر سوئی رہتی تھیں۔انہی دنوں اس نے انٹرنیٹ پر مختلف سوشل ویب سائٹس کے لیے آرٹیکلز لکھنا شروع کر دیے تھے۔جس کا فیڈ بیک اُسے بہت عمدہ مل رہا تھا۔سچ بات یہ تھی کہ وہ خود بھی اپنے اس کام سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔انہی دنوں اس نے فیس بک کو بھی جوائن کر لیا تھا جس کی وجہ سے اس کی تنہائی کا کافی حد تک مداوا ہو گیا تھا۔"

''وہ ایک کاسنی شام تھی، اس کے قدموں میں بوگن ویلیا کے ارغوانی پھول گرے ہوئے تھے۔سامنے انگوروں کی بیل پر نیلی چونچ والی چڑیا اُسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ لیپ ٹاپ گود میں رکھے شام کی چائے کے ساتھ فیس بک سے لطف اندوز ہو رہی تھی ایک گروپ میں سیاست پر ہونے والی دلچسپ گفتگو میں اس کے دلائل سے متاثر ہونے والوں میں کراچی کا نوفل یزدانی بھی تھا۔اُس نے گفتگو کے دوران ہی اسے فرینڈ ریکوئسٹ بھیجی تھی جسے نہ چاہتے ہوئے بھی حریم نے قبول کر لیا تھا۔اس شام اُس سے گفتگو کے بعد حریم کو پہلی دفعہ مارگلہ کی پہاڑیوں پر اترنے والی شام نے اُداس نہیں کیا تھا۔وہ انتہائی کم گو جبکہ وہ لفظوں کا کھلاڑی تھا۔حریم کا حلقہ احباب انتہائی محدود جب کہ نوفل یزدانی بلا کا سوشل بندہ تھا۔اس کی فرینڈ لسٹ میں دوستوں کی تعداد ہزار کے ہندسے کو چھو رہی تھی۔جب کہ حریم کی لسٹ میں ٹوٹل چار لوگ تھے۔

''اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں تم نے مجھے اپنی لسٹ میں کیوں شامل کیا......؟؟؟''ایک دن ہچکچاتے ہوئے حریم نے پوچھ ہی لیا تھا۔

''وہ سارے آتے جاتے موسم تھے، زمانہ تو تھا......''اس کی دلکش آواز سن کر وہ کچھ لمحے تو بول ہی نہیں سکی تھی۔اُسے پہلی دفعہ یقین آیا تھا کہ وہ واقعی ایف ایم ریڈیو پر پروگرامز کی کمپیرنگ کرتا رہا ہے۔اس کے بولنے کا انداز، لہجے کا اتار چڑھاؤ اور خوبصورت لفظوں کا چناؤ کسی کو بھی اپنے سحر میں گرفتار کر سکتا تھا۔

وہ اب ریڈیو پاکستان پر کسی سیاسی پروگرام کی کمپیرنگ کرتے کرتے آن لائن جرنلزم کی طرف آ گیا تھا۔وہ فری لانسنگ رپورٹنگ بھی کرتا تھا۔اُسے حریم کے وسیع مطالعے نے خوب متاثر کیا تھا،اور یوں حریم کے لسٹ میں شامل چار لوگوں میں سے پانچواں نوفل تھا۔باقی چار اس کی کالج اور یونیورسٹی دور کی فرینڈز تھیں جن میں سے دو ملک سے باہر تھیں۔

اس وقت بھی حریم کے ماتھے پر پڑا گہرا بل اس کی بے پناہ مصروفیت کی غمازی کر رہا تھا۔دوسری طرف آج بھی نوفل آن لائن تھا۔وہ انتہائی دلچسپ گفتگو کرتا تھا۔جس کی وجہ سے لمحے کب گھنٹوں میں تبدیل ہوتے تھے اس کا حریم کو اندازہ نہیں ہوتا تھا۔بقول ہانیہ علوی کہ وہ گفتار کا غازی تھا۔وہ باتوں کے ریشم میں اگلے بندے کو زبردستی الجھانے کے فن پر دسترس رکھتا تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ جیسے برصغیر پاک وہند پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے قبضہ کیا تھا، اسی طرح تم بھی میرے دل ودماغ پر زبردستی قابض ہوتی جا رہی ہو۔'' اُس کے شرارتی جملے پر حریم کے دل کی دھڑکنیں مرتعش ہوئی تھیں۔

''ہم ''پرائی'' جگہوں پر اپنے جھنڈے لگانے کے قائل نہیں......'' حریم نے بے ہنگم دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے جواب لکھا تھا۔

''آہ......!!! ہم درو بام کھول کر جناب کی آمد کے منتظر ہیں اور آپ ہیں کہ اپنے جھنڈے سمیت سمٹ کر کہیں چھپی بیٹھی ہیں، اور اوپر سے اپنی ہی چیزوں پر پرائے پن کے ٹیگ لگائے جا رہی ہیں......'' اُس کے غیر سنجیدہ انداز پر وہ بے ساختہ مسکرائی تھی، مسکرانے سے اُس کے دائیں گال پر پڑنے والا ڈمپل گہرا اور آنکھوں کی روشنی میں دگنا اضافہ ہو گیا تھا۔

اس کی نظریں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر مقناطیس کی طرح جمی ہوئیں تھیں۔ لاشعوری طور پر اس کے اعصاب تن سے گئے تھے۔ جب کہ جسم کا رواں رواں اس کی طرف متوجہ تھا۔

''کبھی کراچی آؤ تو میں سمندر کی نرم ریت پر چلتے ہوئے میں اس دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی کو بتاؤں گا کہ میری محبت کا دامن اس سمندر سے بھی وسیع تر ہے۔'' نوفل نے بہت سرعت سے محبت کے تمام مرحلے عبور کیے تھے اور حریم کو سوچنے سمجھنے کا بھی مہلت نہیں ملی تھی۔

''اچھا تم کبھی میرے گھر آؤ تو ٹیرس سے تمہیں میں مارگلہ کی پہاڑیوں پر اترتی اُداس شام دکھاؤں گی۔ دیکھنا غروب آفتاب کے بعد شفق کی لالی کیسے آسمان پر ایک حشر برپا کرتی ہے۔ اور جب چاند پورے جوبن پر ہوتا ہے تو پہاڑوں پر اترنے والی چاندنی دل کو کتنا رنجیدہ کرتی ہے......'' اس کے لفظوں سے جھلکتی افسردگی نوفل کو بے چین کر گئی تھی۔ اُس نے انتہائی محبت بھرے انداز سے لکھا تھا۔

''دیکھو لڑکی میں تمہیں پیار سے حریم کی جگہ اکثر ''اجالا'' کہتا ہوں اس لیے تم تیرگی اور ڈوبتے ہوئے سورج کی باتیں کرتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتیں......'' نوفل نے دانستہ خوشگواریت سے کہا تھا۔ اُسے اندازہ تھا کہ وہ آج صبح سے ہی کچھ دل گرفتہ تھی۔ آج اس کے پاپا کی چوتھی برسی تھی۔

''تمہیں پتا ہے نوفل ہمارے گھر کے باہر ''حریم ولا'' کی تختی پاپا کے چالیسویں سے پہلے ہی اتار دی گئی تھی۔ مجھے اسی دن اندازہ ہو گیا تھا کہ میں جو اپنے تین بھائیوں کی اکلوتی شہزادیوں جیسی بہن ہوں۔ اس شہزادی کے بُرے دنوں کا آغاز ہو گیا ہے۔ یہ گھر پاپا نے اپنی زندگی میں ہی میرے نام کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود میری ماں اس گھر کے اوپر والے پورشن میں معزول ملکہ کی طرح اور میں ایک غریب شہزادی کی طرح رہتی ہوں۔'' حریم نے پچھلے ایک ماہ سے اپنے سارے دکھ سکھ اس اجنبی سے کرنے شروع کر دیے تھے۔ جس کے ساتھ اس کا صرف سماعت اور الفاظ کا رشتہ تھا۔

''فکر نہ کرو، دُور دیس سے ایک شہزادہ رتھ پر سوار ہو کر اس سوئے ہوئے محل میں آنے والا ہے، وہ شہزادی کے جسم سے دُکھوں کی ساری سوئیاں ایک ایک کر کے چن لے گا، اور اُسے محبت کی وادی میں لے جائے گا......'' وہ تھوڑا سا شوخ ہوا۔ اس کی بات پر حریم کا دل بے اختیار دھڑکا جب کہ چہرے پر ایک سرخی سی پھیلی تھی۔

''وہ شہزادہ پتا نہیں کتنے امتحانوں سے گذر کر یہاں آئے گا۔ تب تک سرخ گلابوں کے سارے موسم کہیں خزاں کی چادر نہ اوڑھ لیں۔'' وہ

حد درجہ قنوطیت کا شکار تھی۔ دل یقین اور بے یقینی کے گرداب میں پھنسا رہتا تھا۔ زندگی نے اُسے بڑی بے رحمی سے برتا بھی تو تھا۔ پھر اتنی سی مایوسی اور افسردگی تو اس کا حق بنتی تھی۔

''دیکھو مایوس نہیں ہوتے۔ جیسے ہی موسم بہار کی پہلی کلی چٹک کر موسم بدلنے کی نوید دے گی۔ گل لالہ کے پھول چار سو پھیل جائیں گے۔ میں اپنے دامن میں خوشیوں کے خواب، چاہتوں کے جگنو اور محبت کی تتلیاں سمیٹے آ جاؤں گا۔'' نوفل کی اس قدر سحر انگیز بات پر وہ کچھ لمحوں کے لیے بول ہی نہیں پائی تھی۔

''تم لفظوں کا استعمال بہت خوبصورتی سے کرتے ہو......'' حریم نے کھلے دل سے اعتراف کیا تھا۔

''مائی ڈیئر یہ لفظ کچھ نہیں ہوتے، ہمارے دل میں پنہاں کسی شخص کے لیے محبت ان لفظوں کو دھڑکن بخشتی ہے۔ تبھی لفظوں کے جسم میں زندگی کا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، ورنہ لفظ بذات خود محض کاغذی پھول ہوتے ہیں۔ جذبات اور احساسات کی خوشبو ہی ان کو خاص بناتی ہے۔ ورنہ کاغذی بے رنگ پھولوں سے بھلا کون متاثر ہو سکتا ہے۔'' نوفل کی بات پر روشنی کی سانسیں اٹکی تھیں۔ وہ ان لفظوں کے سحر میں گم تھی اور ہانیہ ٹیرس کا دروازہ کھول کر اس کے بالکل پیچھے آن کھڑی ہوئی تھی۔

ہانیہ نے دونوں ہاتھ جھولے پر رکھتے ہوئے حریم کی پشت سے اس گفتگو کو غور سے پڑھا تھا۔ کچھ لمحوں کے لیے تو وہ بھی گم سم ہو گئی تھی۔ وہ حریم کی بچپن کی بہترین دوست، ہم راز اور دکھ سکھ کی ساتھی تھی۔ پڑوس میں مقیم ہونے کی وجہ سے وہ اکثر دن میں تین تین چکر بھی اس کے گھر کے لگا لیتی تھی۔

''مائی گاڈ یہ بندہ تو مجھے لفظوں کا جادوگر لگتا ہے پلیز حریم اس سے بچ کر رہنا......'' ہانیہ کی تحیر آمیز آواز سن کر وہ جھٹکے سے مڑی تھی۔ اُس کے چہرے کے سارے دلکش رنگ اڑ کر فضا میں تحلیل ہو گئے تھے اب اس میں صرف ایک پھیکا پن سا نمایاں تھا۔ وہ حقیقت میں ہانیہ کی موجودگی سے بے خبر تھی۔ بلیو جینز پر گلابی لونگ پل اوور پہنے وہ کمر پر ہاتھ رکھے اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔ حریم کو اپنے ہاتھوں کے سارے طوطے اڑتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ وہ پتا نہیں کب سے اس کے پیچھے کھڑی لیپ ٹاپ پر ہونے والی اس کی گفتگو پڑھنے میں مگن تھی۔ اس کی طنزیہ نظروں سے گھبرا کر حریم نے سٹپٹا کر کہا۔

''تم کیا ایف آئی اے والوں کی طرح چھاپے مار رہی ہو......''

''صرف چھاپے نہیں بی بی، کامیاب چھاپے......'' ہانیہ نے فوراً تصحیح کی اور دھڑم سے اس کے ساتھ ہی جھولے پر بیٹھ گئی تھی۔ جھولا ایک دفعہ تو ہل کر ہی رہ گیا تھا۔

حریم نے بوکھلا کر لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کرنے کی بجائے ویسے ہی بند کر دیا تھا۔ اس سے بعید بھی کوئی نہیں تھا کہ وہ زبردستی پکڑ کر پچھلی گفتگو کے بھی بخیے ادھیڑنے لگتی۔

''ویسے تم آئی کب تھیں......؟؟؟'' حریم کو اپنی بے خبری پر غصہ آ رہا تھا۔ اُس نے بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے بڑے تحمل سے دریافت کیا تھا۔

''ٹینشن نہ لو، میں نے صرف آخری بات ہی پڑھی ہے جس میں وہ فراڈیا جرنلسٹ تتلیوں، جگنوں کے ساتھ آنے کے جھوٹے وعدے کر رہا تھا......'' ہانیہ نے مونگ پھلی کی پلیٹ گود میں رکھتے ہوئے شرارتی لہجے میں اُسے دیکھا تھا۔ جس کے چہرے کے سارے نقوش تن گئے تھے۔ وہ دونوں کی دوستی سے اچھی طرح واقف تھی۔

''میں نے کئی دفعہ کہا ہے کہ ایسے کسی کا مذاق نہیں اڑاتے......'' حریم نے تاسف بھری نظروں سے اُسے دیکھا جو مونگ پھلی کے خالی چھلکے سامنے لیٹی ہوئی اُس کی پالتو بلی نونی کو بڑی مہارت کے ساتھ مار رہی تھی۔ جب کہ نونی کے چہرے پر موجود ناراضگی صاف عیاں تھی۔

''لو میں نے کب کسی کا مذاق اڑایا ہے......'' اُسے مطلق پرواہ نہیں تھی۔ وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ ''مذاق تو اس نوفل یزدانی نے خود شروع کیا ہے اب بتاؤ بھلا وہ کراچی سے چاہتوں کے جگنو اور محبتوں کی تتلیاں کیسے لائے گا۔ اتنے لمبے سفر میں بھلا وہ اسلام آباد آتے آتے مر نہیں جائیں گے......'' اُس کے شرارتی انداز میں کچھ تھا جو حریم کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر وہ مزید پھیل کر بیٹھ گئی۔

''دیکھو یار، ہم کامرس پڑھنے والے سیدھے سادھے لوگ ہیں، اور سیدھی سادھی باتیں ہی ہمیں سمجھ آتی ہیں۔ یہ ادبی گھمن گھیریاں ہمارے دماغ کے کسی خانے میں نہیں آتیں، ویسے تو تم بھی خیر سے ہمیشہ سائنس اسٹوڈنٹ رہی ہو، لیکن وہ کیا ہے ناں، تمہارے دادا شاعر تھے۔ بابا بھی ادبی ذوق رکھتے تھے اس لیے ''ادب'' سے محبت تمہیں جینز میں ملی ہے۔ اس لیے مائی ڈیئر ہم سادہ دل لوگوں کی بے ادبیاں معاف کر دیا کرو......'' اُس نے پاؤں زمین پر رکھ کر پشت سے جھولا پیچھے کی طرف دھکیلا۔ جب کہ اس کی اس حرکت پر حریم نے سخت ناپسندیدہ نظروں سے اُسے گھورا۔

''انسانوں کی طرح بیٹھو......'' حریم کے ٹوکنے پر وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''ویسے یار کتنا ہی اچھا ہوتا کہ تمہارے ٹیرس پر ایک ٹاہلی بھی ہوتی اور میں اس جھولے پر بیٹھ کر نازیہ حسن کی طرح گاتی ''ٹاہلی دے تھلے بہہ کے باں بہہ کے، آکر یے پیار دیاں گلاں......'' وہ زندگی سے بھرپور ایک شوخ مزاج طبیعت کی حامل ہنس مکھ لڑکی تھی۔ کسی زمانے میں حریم اعجاز بھی ایسی ہوا کرتی تھی۔

''کہیں سے لگتا ہے کہ تم نے ایم۔ بی۔ اے کر رکھا ہے اور ایک مشہور بینک میں اچھی خاصی پوسٹ پر ہو......'' حریم نے اُسے شرم دلانے کی ناکام کوشش کی۔

''تو میں نے کون سے کسی کو دکھانے کے لیے ایم۔ بی۔ اے یا بینک میں جاب کی ہے۔ بھئی ہم مست ملنگ، درویش لوگ ہیں، ہمیں کسی سے کیا لینا دینا......'' ہانیہ نے ایک مونگ پھلی کا دانہ پھر نونی کو مارا جو غصے سے غرّائی تھی۔ حریم نے طنزیہ انداز سے بلیو جینز پر پنک بل اوور پہنے نک سک سے تیار ماڈرن درویشنی کو دیکھا۔

''حالانکہ تم بینک والوں کا سارا کاروبار ہی لین دین پر چلتا ہے......'' حریم نے طنزیہ انداز سے کہتے ہوئے اس کی گود سے مونگ پھلی کی پلیٹ اٹھائی۔ تاکہ وہ اس کی مانو بلی پر مزید حملے نہ کر سکے۔

''دیکھو، حریم اعجاز یہ لین دین صرف کاروبار میں ہی نہیں ہر رشتے میں چلتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے......'' وہ

ابھی بھی غیر سنجیدہ تھی تو اس کی آنکھیں شوخی سے جگمگا رہی تھیں۔

''لیکن ایک بات ذہن نشین کر لو کہ جو حسن اور آسانی ''سادگی'' میں ہے وہ کہیں نہیں۔ سادہ الفاظ بعض دفعہ بہت بے رنگ اور پھیکے سے لگتے ہیں لیکن خوبصورت لفظوں کے جب رنگ اترتے ہیں تو یقین کرو ان سے نفرت ہونے لگتی ہے۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئی۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو ہانیہ.....'' وہ اچھل کر جھولے سے اتری اور سامنے ناراض کھڑی نونی کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ ہانیہ نے اس کی اس حرکت کو سخت ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ نہ جانے کیوں حریم کی پالتو بلی سے بہت خار کھاتی تھی۔

''تمہیں پتا ہے ہر مرد کے پاس لفظوں کی ایک پٹاری ہوتی ہے جس میں وہ خوشنما، خوبصورت اور سحر انگیز لفظوں کا ڈھیر جمع کرتا جاتا ہے۔ وہ ہر موقعے پر بڑی مہارت کے ساتھ عورت پر لفظوں کا جال پھینکتا ہے اور عورت اتنی سادہ اور بے وقوف ہوتی ہے کہ جب کسی مرد کی محبت میں گرفتار ہوتی ہے تو اپنی عقل اور سوچنے سمجھنے کی ساری حسیں اٹھا کر طاق پر رکھ دیتی ہے۔ وہ ان خوشنما لفظوں کی تتلی کے پیچھے لپکتی ہے، اور بعض دفعہ اس کے حصے میں بس چند چبھنے والے پھیکے سے رنگ ہی آتے ہیں۔ جب کہ مرد اسی تتلی کو لیے نئے جہاں تسخیر کرنے نکل جاتا ہے.....'' وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

''تم بہت عجیب باتیں کرتی ہو ہانیہ علوی.....'' حریم نے اس سے صاف نظریں چراتے ہوئے اپنی نونی کو پیار کیا۔

''جب باتیں سمجھ میں آجاتیں ہیں لیکن ہم پھر بھی اُن سے نظریں چراتے ہیں تو ہمیں باتیں نہیں اپنا آپ عجیب لگتا ہے، لیکن افسوس ہم یہ بات بھی سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں کہ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں۔'' اس کا لہجہ ذومعنی، انداز غیر سنجیدہ اور آنکھیں بولتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ اپنی بات کی تاثیر سے واقف تھی۔ ٹیرس پر خاموشی نے بڑی تیزی سے قبضہ کیا۔

''سن چرخے دی مِٹھی مِٹھی کوک، وے ماہیا مینوں یاد آندا اے.....'' ہانیہ نے آنکھیں بند کر کے تان اٹھائی۔ ایک تو اس کی آواز خوبصورت تھی اوپر سے اس کو سروں سے بھی خاصی شدھ بدھ تھی۔ دوسرا اس کی آواز میں جھلکتا دکھ سننے والے پر ایک سحر طاری کر دیتا تھا۔ وہ خاصے جذب سے گا رہی تھی۔ حریم کچھ دیر تو اسے سنتی رہی اور پھر اپنی ہی کسی سوچ کے زیرِ تحت کمرے میں آ گئی۔

''اسلام آباد کا موسم بھی بڑا متلون مزاج واقع ہوا ہے۔ یا پھر میرے سروں میں اتنی طاقت تھی۔ باہر جا کر دیکھو میں نے بھی تان سین کی طرح بارش برسا دی ہے۔'' وہ کچھ ہی دیر کے بعد اس کے پیچھے کمرے میں تھی اب فریج سے سیب نکال کر شگفتگی سے ہنس رہی تھی۔

''ایک بات تو بتاؤ ہانیہ تمہاری آواز میں اتنا کرب کیوں ہے.....؟؟؟'' وہ کیبنٹ کھول کر الیکٹرک کیتل نکالتے ہوئے تجسس سے پوچھ رہی تھی۔

''ایسی باتیں بچوں کی سمجھ میں نہیں آتیں.....'' اس نے صاف اسے ٹالا۔'' مابدولت کو اچھی سی چائے پلائی جائے.....'' اس کے شاہانہ انداز پر حریم نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ جو بے تکلفی سے سیب کھاتے ہوئے ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ تو نہیں ملا تھا سامنے نونی کا چھوٹا سا ٹوکری میں لگا بستر ضرور مل گیا تھا۔

''قسم سے مجھے اس کمبخت بھوری بلی سے سخت جیلسی محسوس ہوتی ہے کیسے تم اس کے ناز نخرے اٹھاتی ہو......'' ہانیہ کے حاسدانہ انداز پر اسے ہنسی آ گئی۔

''مجھے تم پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ اتنے معصوم جانور کے ساتھ رقابت کا جذبہ رکھتی ہو، کچھ تو شرم کرلو......'' حریم نے الیکٹرک کیٹل نکالتے ہوئے اُسے دیکھا جو صوفہ کم بیڈ پر بے تکلفی سے نیم دراز تھی۔

''بہت خراب ہو تم، پہلے ایک بلی کو اور اب ایک بلے کو میرے مدّمقابل لے آئی ہو۔ اُس پر کہتی ہو کہ احتجاج بھی نہ کروں...... کیا یہ کھلا تضاد نہیں......'' ہنی نے مصنوعی صدمے سے ایک کشن اپنے منہ پر رکھ لیا تھا۔ جب کہ حریم بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے چائے کے مگوں میں ٹی بیگ رکھنے لگی۔ اُسے معلوم تھا کہ اس نے بلا نوفل پر دانی کو کہا ہے لیکن وہ اس پر تبصرہ کر کے ایک اور لاحاصل بحث کا آغاز کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''ویسے یار وہ نیچے والی دونوں چڑیلیں کہاں گئیں۔ مجھے بڑی والی سے کچھ کام تھا......'' ہانیہ کو ایک دم یاد آیا تو اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''شرم کرو میری بھابھیوں کو چڑیلیں کہہ رہی ہو......'' حریم نے اُسے مصنوعی غصّے سے گھورا تو کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''یقین مانو وہ بڑی والی ہے تو تمہاری خالہ کی بیٹی لیکن جب کسی دن اپنے گھنگھریلے بال کھول لے تو کسی چڑیل سے کم نہیں لگتی۔'' وہ مزے سے سیب کھاتے ہوئے بولی۔

''دونوں اکٹھی ایف سیون مرکز میں کسی برینڈ کے کپڑوں کی سیل پر اپنے اپنے شوہروں کی کمائی بے دریغ لٹانے گئی ہیں......'' حریم نے چینی مکس کرتے ہوئے بے زاری سے جواب دیا۔ اپنی بھابھیوں کے متعلق بات کرنا اُسے سخت ناپسند تھا۔ اعجاز صاحب کی اچانک وفات کے بعد صالحہ بیگم پر فالج کے حملے نے حریم کو بوکھلا دیا تھا۔ بھابھیوں کے ساتھ بھائیوں کا رویہ بھی تکلیف دہ ہونے کی وجہ سے دونوں خاموشی سے اوپر والے پورشن میں شفٹ ہو گئی تھیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے ایک مستقل ملازمہ کا انتظام بھی حریم نے ہی کیا تھا۔

''ویسے ان کی آپس میں بنتی نہیں ہے لیکن ایسے موقعوں پر ان کا اتحاد قابلِ دید ہوتا ہے یار۔ مجھے تو سخت تعجب ہے ان کے اوپر......'' ہانیہ کی بات پر اس کے چہرے پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

''یار جب کسی مقصد کے لیے آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے مفادات مشترکہ ہوں تو وہاں پر اتحاد ہو ہی جاتے ہیں۔'' حریم کا لہجہ دکھ کی آنچ لیے ہوئے تھا۔ ہانیہ نے چونک کر دیکھا۔

''لیکن کسی مقصد کے لیے ہونے والے اتحاد دیرپا نہیں ہوتے مائی ڈیئر......'' ہانیہ نے چائے کی لمبی چسکی لیتے ہوئے اُسے تسلی دی۔

''پاپا کے انتقال کے بعد انہیں سب سے زیادہ خطرہ میری طرف سے تھا۔ میرے ساتھ تو ویسے ہی تقدیر نے عجیب کھیل کھیلا اور ماما تو ویسے ہی کسی کھاتے میں نہیں تھیں اور شوہر تو ویسے ہی انہیں کاٹھ کے الّو لگ گئے۔'' حریم نے چائے کا کپ میز پر رکھ کر کھڑکیوں کے آگے پردے سرکائے باہر پھیلی تیرگی اسے اپنے اندر بھی اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''یار تم کیوں اپنا دل جلاتی ہو، بھاڑ میں جائیں سب، کبھی نہ کبھی تو ان کو احساس ہو گا نہ کہ انہوں نے اپنے سے وابستہ دوسرے رشتوں کے ساتھ کتنا بُرا کیا تھا۔'' ہانیہ نے اُسے تسلی دیتے ہوئے چائے کا کپ ٹرے میں رکھ کر بسکٹ اٹھایا۔

''یار مسئلہ میرا نہیں، مسئلہ ماما کا ہے...... '' تحریم نے قدرے پریشانی سے کہا۔ ''انہوں نے بابا کی مخالفت کے باوجود اپنی دو بھانجیوں اور ایک بھتیجی کو اپنی بہو بنایا، ان کی سوچ یہی تھی کہ اپنی ہیں کچھ تو خیال کریں گی مگر انہوں نے ایسا خیال کیا کہ گھر کے کونے کھدرے میں لگا دیا۔'' اُس نے اداسی سے کمرے میں لگے فانوس کو دیکھا۔

''یار جب بندہ بے غیرتی پر اُتر آئے تو سب سے پہلے وہ یہ 'اپنے پن' کا چولا اتار کر ہی زمین پر پھینکتا ہے۔ اوپر سے یہ فضول منطق کہ اپنا مارے گا بھی تو چھاؤں میں ہی پھینکے گا ناں، بندہ پوچھے مرے ہوئے بندے کو کہاں دھوپ اور چھاؤں کی تمیز ہوتی ہے۔؟ پھر اپنوں کے دیے گئے دکھ تو زیادہ تکلیف دہ ہوتے ہیں...... '' ہانیہ نے کشن اپنی گردن کے پیچھے رکھا اور صوفہ کم بیڈ پر سہولت سے لیٹ گئی۔ جب کہ حریم چائے کے خالی برتن کچن میں رکھ کر اب خود بھی اس کے سامنے کارپٹ پر براجمان ہو گئی۔ وہ دونوں کئی کئی گھنٹے ایسے ہی گپ شپ میں گذار دیتی تھیں۔ ہانیہ کا ٹیرس بھی اس کے ٹیرس کے ساتھ تقریباً جڑا ہوا تھا۔ جسے وہ آسانی کے ساتھ پھلانگ کر آ جاتی تھی اور نیچے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔

''مہینوں گزر جاتے ہیں بھابھیوں کو تو چھوڑو، بھائی بھی یہاں جھانک کر نہیں دیکھتے۔ ماما کی ادویات، ان کا چیک اپ سب کچھ مجھے ہی دیکھنا پڑتا ہے۔'' حریم کے گلہ آمیز انداز پر اس نے تاسف میں سر ہلایا۔

''دفع کرو ان سب کو یہ بتاؤ تمہارے جیمز بانڈ کا کیا حال ہے؟ کوئی جاب واب بھی کرتا ہے یا پھر سارا وقت فیس بک پر مکھیاں ہی مارتا ہے...... '' ہانیہ نے جان بوجھ کر وہ ٹاپک چھیڑا جو آج کل اس کی دوست کے چہرے پر اتنی روشنی بکھیر دیتا تھا کہ ہانیہ کو اس کے چہرے پر فینسی لائیٹس کا گمان ہونے لگتا۔

''خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں...... آجکل آن لائن جرنلزم میں اس کا خاصا نام بنتا جا رہا ہے۔ دیکھ لینا بہت آگے تک جائے گا...... '' حریم نے خلوص دل سے کہا تھا اس کے پر یقین لہجے پر وہ بے ساختہ مسکرا کر اُسے دیکھنے لگی جس کی آنکھوں میں ستارے دمکنے لگے تھے۔

''ویسے یار تم دونوں کی بات چیت کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تو پھر تم کیسے کہہ سکتی ہو...... '' ہانیہ متبسم انداز میں کہتے ہوئے اٹھی۔ اس نے کشن اپنی گود میں رکھتے ہوئے اُسے دلچسپی سے دیکھا جو مسکراتے ہوئے خاصی دلفریب لگ رہی تھی۔

''یار شناسائی کے لیے تو ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ہم ایک شخص کے ساتھ صدیاں گذار کر بھی کچھ نہیں جان سکتے اور بعض دفعہ ہماری کسی کے ساتھ ایسی کیمسٹری میچ ہوتی ہے کہ لگتا کہ یہ بندہ ہمزاد کی طرح ہمیشہ سے ہمارے ساتھ تھا۔'' کسی خوبصورت سوچ کے زیر اثر حریم کی آنکھوں میں روشنی کے سوتے پھوٹے تھے۔ وہ کارپٹ پر فلور کشن رکھے بیٹھی تھی۔ اس کے لمبے بال ایک چوٹی کی صورت میں گندھے ہوئے تھے جسے اس نے آگے ڈال رکھا تھا۔

''فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہے موصوف کا......؟؟؟'' ہانیہ نے دیوار پر لگے وال کلاک کو دیکھتے ہوئے توجہ سے پوچھا تھا۔ اس سے پہلے تو اس نے کوئی خاص اہمیت ہی نہیں دی تھی اس کا خیال تھا کہ یہ چند روزہ بخار ہے جو جلد ختم ہو جائے گا کیونکہ ایسی چیزیں حریم کے مزاج سے میل نہیں کھاتی تھیں۔

''لوئر مڈل کلاس فیملی سے تعلق ہے۔ والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ دو بھائیوں اور بھابھیوں کے ساتھ رہتا ہے اور میری طرح دن رات ان کے طعنے سنتا ہے......'' حریم کے چہرے پر بہت تیزی سے تمسخرانہ تبسم نے جگہ بنائی۔ ہانیہ نے ناگواری سے اُسے دیکھا جو اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

''خیر تمہیں یہاں طعنے تو کوئی نہیں دیتا، یہ گھر تمہارے نام ہے۔ جناح سپر میں دو شاپس اور ایک فلیٹ بھی تمہارے نام ہے۔ تمہیں کم از کم معاشی لحاظ سے تو کوئی تنگی نہیں ہے ناں۔ اللہ کا شکر ادا کیا کرو۔ خدا کو ناشکرا پن سخت ناپسند ہے۔'' وہ شاید اس سے بھی زیادہ اس کی کلاس لیتی لیکن اس کے چہرے پر پھیلی خفت اور شرمندگی کی وجہ سے فوراً بولی۔

''ہاں اس لحاظ سے اللہ کا مجھ پر بہت کرم ہے جب کہ اُسے تو بائیک میں پیٹرول ڈلوانے کے لیے بھی بعض دفعہ اپنے بھائیوں کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔'' اُس نے بے دھیانی میں کہا تھا لیکن ہانیہ فوراً چونک گئی۔

''ہاں تو وہ کیوں دیکھتا ہے اپنے بھائیوں کی طرف، سیریس ہو کر اپنا کیریئر بنائے۔ جو ڈیٹ آف برتھ اس نے اپنی پروفائل میں لکھ رکھی ہے اس کے مطابق تو اسے اب تک اسٹیبلش ہو جانا چاہیے۔ جواد بھائی کی بھی تو یہی عمر ہے۔ ان کے نہ صرف دو بچے ہیں بلکہ اچھا خاصا بزنس بھی جما چکے ہیں۔'' ہانیہ نے اسے، اس کے سب سے چھوٹے بھائی کی مثال دی جو اسی کا ہم عمر تھا۔

''چھوڑو یار، جواد بھائی کو کون سا کوئی خاص محنت کرنا پڑی تھی، بابا کا جما جمایا بزنس ہی تو سنبھالا ہے انہوں نے، یہ کون سا کمال کیا ہے۔'' حریم نے بیزاری سے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز سے کہا۔ جب کہ ہانیہ نے سخت تعجب انگیز انداز سے اپنی دوست کو دیکھا تھا جو شعوری اور لاشعوری طور پر نوفل یزدانی کی طرفداری کر رہی تھی۔

''تم کچھ ضرورت سے زیادہ ہی اس کی سائیڈ لینا شروع نہیں ہو گئی ہو جان من......؟؟؟'' ہانیہ نے دانستہ خوشگوار لہجے میں کہا تو وہ بُری طرح چونکی۔

''ہاں شاید اس لیے کہ وہ مجھے اس وقت ملا ہے جب مجھے حقیقت میں کسی کی ضرورت تھی۔ جب سے جاب چھوڑی ہے گھر میں فارغ رہ رہ کر دماغ مفلوج سا ہو گیا تھا۔ یقین مانو کہ زندگی میں قطعاً بھی کشش محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اسی نے مجھے احساس دلایا ہے کہ میں گھر بیٹھ کر بھی بہت کچھ کر سکتی ہوں......'' حریم نے صاف گوئی کی انتہا کر دی۔

''تمہیں پھر بھی محتاط رہنا چاہیے۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اس کے ساتھ فیس بک پر دوستی ہوئے، اور میں تو یہ انٹرنیٹ کی دوستیوں کی قائل نہیں۔ کیا پتا کون کس کے نام کا برقع پہن کر بیوقوف بنا رہا ہو اور فیس بک کے حوالے سے تو آئے روز ڈرامے سننے کو ملتے ہیں۔'' ہانیہ کے ناصح انداز پر وہ تھوڑا سا تلخ ہوئی۔

''کم آن یار......کیا بچوں جیسی باتیں کرتی ہو۔ میں اچھی خاصی چوبیس سال کی میچور لڑکی ہوں کوئی ٹین ایج نہیں کہ کوئی مجھے الو بنا جائے۔'' اُس نے لمبی انگڑائی لیتے ہوئے اُسے یاد دلایا۔ جب کہ اس کی اس منطق پر ہانیہ نے گود میں رکھا کشن کارپٹ پر اچھالا اور خود سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''محترمہ یہ جو آج کے مرد حضرات محبت نام کا تعویز ہاتھوں میں سلیے پھرتے ہیں یہ لڑکیوں کا دماغ خراب کرنے کو کافی ہے۔ آج کل کی نوجوان لڑکیاں ویسے تو سمجھدار ہوگئی ہیں۔ وہ لڑکوں کو چٹکیوں میں اڑاتی ہیں، محبت نام کا کوئی پھندہ اپنے گلے میں نہیں لٹکاتیں۔ ان کی ترجیحات میں پیسہ، گھر، گاڑی پہلے نمبر پر اور محبت کا نمبر کہیں آخر میں ہی آتا ہے، یہ تمہارے میرے جیسے لوگ جو لفظوں کے پیچھے بھاگتے ہیں، حساسیت کا طوق پہن کر ہر شخص کے لفظوں پر اعتبار کرتے ہیں اور پھر دھوکا کھاتے ہیں۔ ہم لوگوں کی زندگی کی ترجیحات میں محبت پہلے نمبر پر ہوتی ہے اور پھر یہی محبت ہمیں زندگی کی دوڑ میں سب سے آخر میں کھڑا کر دیتی ہے۔'' ہانیہ کے لہجے میں کوئی تلخ تجربہ پوشیدہ تھا۔ اُس کی بات پر حریم الجھی۔

''اللہ نہ کرے یار، کچھ سوچ سمجھ کر بولا کرو۔'' اُس نے دہل کر ہانیہ کی طرف دیکھا تھا۔ جو صوفے پر بے تکلفی سے بیٹھی ہوئی اب کارپٹ سے کشن اٹھا کر فضا میں اچھال کر انتہائی بچگانہ انداز سے خوش ہو رہی تھی۔

''یار سوچ سمجھ کر بولنے سے اگر سب اچھا اچھا ہو جائے تو شاید دنیا میں سناٹا چھا جائے، امن و سکون ہو جائے، آدھا دن لوگ لفظوں کو تولنے میں اور پھر بولنے میں لگا دیں۔'' ہانیہ نے شرارت سے اس کا زرد چہرہ دیکھا اور ہاتھ میں پکڑا کشن اُس پر اچھال دیا۔ وہ اس اچانک حملے پر ایک دم ہراساں سی ہوئی اور کھا جانے والی نظروں سے اُسے دیکھا جو صوفہ کم بیڈ پر ڈھیر ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے پر دنیا جہاں کی سوچیں رقصاں تھیں، لیکن وہ بظاہر آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔

'' کاش زندگی میں آنکھیں بند کرنے سے سارے مسئلے حل ہو سکتے.....'' حریم کے ذہن میں بڑی سرعت سے اس سوچ نے ڈیرہ جمایا تھا۔

☆ ☆ ☆

''دیکھو اچھی لڑکی.....توقعات کے درختوں پر ہمیشہ مایوسی کا پھل لگتا ہے تم یہ بات خود کو سمجھا کر اپنی زندگی آسان کیوں نہیں کر لیتیں.....؟؟؟'' وہ صبح سے تین دفعہ رو چکی تھی آج جویریہ بھابھی کی چھوٹی بہن کی شادی تھی اور وہ اس کی خالہ زاد کزن تھیں۔ اتنا قریبی رشتہ ہونے کے باوجود کسی نے ایک دفعہ بھی جھوٹے منہ ان ماں بیٹی کو چلنے کی دعوت نہیں دی۔ بیگم صالحہ بھی سخت آزردہ تھیں۔ اپنی اس بہن کی کمزور معاشی حیثیت کی وجہ سے وہ ہمیشہ اس کی ڈھال بنی رہیں، ہر موقعے پر اس کا ساتھ دیا حتیٰ کہ اپنے لائق فائق چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ بیٹے کے لیے بہن کی بی اے فیل بیٹی کا رشتہ لے کر سارے خاندان کی مخالفت سہی۔ آج اسی بہو نے انہیں کھڈے لائن لگا دیا تھا اور سگی بہن نے بھی مطلب نکل جانے پر آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں۔ اب اس گھر میں ان کی بیٹی آل ان آل تھی ان کو اب کسی کی خوشامد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

ان سب کے شادی پر جانے کے بعد حریم نے نہ جانے کیوں نوفل کا نمبر ملا لیا تھا۔ اب ان کی فیس بک کے علاوہ سیل فون پر بھی گھنٹوں بات ہونے لگی تھی۔

''توقعات کی فصل کو کسی بیج یا کھاد کی ضرورت تھوڑی ہوتی ہے۔ جہاں کسی سے تعلق واسطہ بنتا ہے۔ وہیں توقعات کے پودے سر اٹھا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔'' اس نے کمبل اپنی ٹانگوں پر ڈالتے ہوئے افسردگی سے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائی۔ آج سردی بھی تو کافی تھی اس نے بمشکل صالحہ بیگم کو سلایا تھا۔

''کیا فائدہ اس فصل کا، جو ہلکی سی بے رخی یا بے اعتنائی کی دھوپ برداشت نہ کر سکے اور فوراً مرجھا جائے.....'' نوفل نے خلوص دل سے اس سادہ دل لڑکی کو سمجھانے کی کوشش کی جو اُسے کچھ ہی عرصے میں بہت عزیز ہو گئی تھی۔

''اپنا دل مضبوط کرو، اس پر لوہے کا خول چڑھا لو تا کہ کسی کی بات کا کوئی اثر نہ ہو.....'' اس نے شگفتگی سے نصیحت کی۔ دوسری طرف ایک چھوٹے سے وقفے کے بعد گویا ہوئی۔

''پتا نہیں لوگ کیسے سخت دل ہو جاتے ہیں یہاں تو دل موم کی طرح لمحے میں پگھل جاتا ہے.....'' حریم کی رنجیدگی کسی طور بھی کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

''پتا تو ہمیں بھی نہیں چلا کہ یہ موم جیسے دل کیسے اتنے مضبوط دل میں نقب لگا جاتے ہیں.....'' وہ اس کے ذومعنی انداز پر چونکی۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ اپنی باتوں سے اُسے بار بار چونکا رہا تھا۔ اب تو وہ ڈائریکٹ حملے کرتا تھا جو اکثر اُسے بوکھلا کر رکھ دیتے۔ وہ دونوں ایک خاص تعلق کی ڈور میں بندھ گئے تھے اور انہیں پتا تک نہیں چلا تھا۔

''کیا مطلب.....؟؟؟'' وہ بری طرح گڑبڑائی.....

''مطلب وطلب تو کچھ نہیں۔ ایک بات تو بتاؤ حریم، تمہیں مجھ جیسے عام بندے میں آخر کیا نظر آیا، تم اچھی خاصی خوبصورت اور سب سے بڑھ کر خوب سیرت لڑکی ہو.....'' نوفل نے آج وہ سوال کر ہی لیا تھا۔ رات ہی اس نے حریم کی بے شمار تصاویر دیکھی تھیں جو اس نے، اس کے بے پناہ اصرار پر بھیجی تھیں۔ تب سے وہ اُسے دن میں کوئی چار دفعہ کال کر چکا تھا۔

''خوبصورت کا تو مجھے پتا نہیں۔ نئی زمانہ لمبے بال آؤٹ آف فیشن ہیں میرے پاس لمبے گھنے سیاہ سلکی بالوں اور سیاہ آنکھوں کے سوا کچھ بھی نہیں اور اس میں بھی میرا اپنا کوئی کمال نہیں۔ یہ اوپر والے کا میری ذات پر احسان ہے۔ جہاں تک بات سیرت کی ہے تو جیسی میری عادات ہیں میں اپنے خاندان کی لڑکیوں کے خیال میں سوسائٹی میں موو کرنے کے لحاظ سے ان فٹ ہوں۔ وہ مجھے پینڈو، دقیانوسی اور اٹھارویں صدی کی خاتون کے القابات سے نوازتی ہیں......'' حریم کا استہزائیہ انداز دوسری جانب نوفل کو سخت برا لگا۔

''وہ سب کاغذی پھولوں جیسی لڑکیاں ہیں، مصنوعی، میک اپ زدہ، نقلی چہرے، خود غرض رویئے اور نام نہاد روشن خیالی کی مظہر، تم اپنا مقابلہ ان سے مت کیا کرو۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' نوفل کی بات پر اس کے دل کی دھڑکنوں میں ایک ارتعاش برپا ہوا۔

''تم بہت خالص، بے غرض، مخلص اور انسانیت سے محبت کرنے والی بہت اچھی لڑکی ہو۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میرے لیے یہ کتنے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ میں اس لڑکی سے بات کرتا ہوں جو دین اور دنیا کو بڑے متوازن انداز سے ساتھ چلا رہی ہے۔ مجھے تم پر رشک آتا ہے تم نے اپنی ماں کی خدمت کی خاطر اپنی اچھی خاصی نوکری چھوڑ دی اور اتنی آزادی کے باوجود بے راہ روی کا شکار نہیں ہوئیں۔'' نوفل نے اُسے کھلے دل سے سراہا۔

''اس میں میرا تو کوئی کمال نہیں، سب اللہ پاک کا کرم ہے......'' حریم کے لفظوں اور لہجے میں عاجزی کا عنصر نمایاں تھا۔ اپنی تعریف اُسے ہمیشہ شرمندہ کر دیتی تھی اس لیے اس نے بات بدل کر کہا تھا۔

''کیا بنا تمہارے بھائی کی نوکری کا......؟؟؟'' حریم کو اچانک یاد آیا کہ وہ پچھلے کچھ دنوں سے اپنے بڑے بھائی کے لیے سخت پریشان تھا کیونکہ وہ جہاں کام کرتے تھے اس کمپنی نے خسارے میں جانے کی وجہ سے بہت سے ملازمین کو فارغ کر دیا تھا جس میں وہ بھی شامل تھے۔''

''یار الحمد اللہ ان کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔ ایک اور کمپنی میں ان کی ملازمت ہو گئی۔ ورنہ بھابھی نے دن رات طعنے دے دے کر سب کا جینا محال کر رکھا تھا۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ معاشی مسائل کیسے گھروں کا سکون درہم برہم کر دیتے ہیں۔ اس کی لہجے میں موجود پریشانی سے وہ کچھ مضطرب ہوئی۔ اُس نے کب ایسے مسائل دیکھے تھے۔

''میں نے تو آنکھ کھولتے ہی گھر میں مسائل کا انبار دیکھا ہے بابا کی دو شادیاں تھیں جب کہ ان کی ورکشاپ ایک گھر کا بھی بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں تھی۔ چھوٹی امی اور بڑی امی کی چیخ چیخ اور اوپر تلے کے دونوں کے چھے بچوں میں، میں تو شروع ہی سے باغی تھا۔ واحد میں تھا جس نے یونیورسٹی کی شکل دیکھی اور ماس کیونکیشن کی ڈگری حاصل کی لیکن اس ڈگری کی وجہ سے دن رات پورے خاندان کی باتیں سنیں۔ پھر بابا کے انتقال کے بعد چھوٹی اماں اپنے تینوں بچوں کو لے کر میکے چلی گئیں تب جا کر گھر میں کچھ سکون ہوا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہماری اماں بھی ہائی بلڈ پریشر کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہوئیں تو تب سے دونوں بھابھیوں کے عتاب کا نشانہ بن رہا ہوں۔'' وہ بہت ہلکے پھلکے انداز سے اپنی کہانی ایسے سنا رہا تھا جیسے کسی اور کی داستان ہو۔ حریم کو اس کے ضبط پر رشک آیا۔

''تمہاری بھابیوں کا تعلق بھی تمہارے خاندان سے ہے کیا......؟؟؟'' اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"جی جناب معمولی پڑھے لکھے اور چھوٹی موٹی نوکریوں پر فائز لڑکوں کے لیے چاچے ماموں کی بیٹیاں ہی قربانی دیتی ہیں۔ باہر والے ایسے لڑکوں کو رشتے نہیں دیتے۔" وہ ہنستے ہوئے اپنے بھائیوں کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں، بعض دفعہ خاندان کی معمولی اور عام شکل و صورت کی حامل لڑکیوں کے لیے بھی اچھے خاصے ہائی فائی ایجوکیٹیڈ اور اعلیٰ عہدوں پر فائز لڑکے بھی چپ چپاتے قربان ہو جاتے ہیں۔ میرے تینوں بڑے بھائیوں کی مثال سامنے ہے۔ بڑے بھائی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ اور بیگم بی۔اے فیل، چھوٹے بھائی سول انجینئر اور بھابھی ایف۔اے پاس، اُس سے چھوٹے بینکنگ اینڈ فنانس میں پی ایچ ڈی اور بھابھی صاحبہ میٹرک پاس۔" حریم نے اپنے مخصوص نرم اور متحمل انداز سے نوفل کی معلومات میں اضافہ کیا۔ جب کہ دوسری جانب وہ واقعی کچھ لمحوں کو سخت صدمے کا شکار ہوا۔ پھر کچھ سنبھل کر اس نے دانستہ شگفتہ انداز اختیار کیا۔

"بھئی تمہاری بھابھیوں کی تو خیر لاٹری ہی نکل آئی ہے جب کہ میری بھابھیوں کا دن رات جنجال پورے میں گذرتا ہے۔ ہر روز ایک نیا معرکہ لگتا ہے۔ بیچاریاں چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے ترستی ہیں۔" نوفل کی بات پر اس کا حساس سا دل گہرے ملال سے بھر گیا جب کہ دوسری جانب وہ خود بھی افسردہ ہوا تھا۔

"بس یہ اللہ کی تقسیم ہے، ہم اس پر کچھ نہیں کہہ سکتے ویسے بھی انسان نہ اپنی اور نہ ہی کسی کی قسمت سے لڑ سکتا ہے کیونکہ اللہ بے نیاز ہے۔ وہ کسی کو دے کر آزماتا ہے اور کسی کو نہ دے کر......" حریم نے اپنی بات مکمل کر کے ٹھنڈی سانس بھری۔ جب کہ دوسری جانب وہ سخت تعجب سے کہہ رہا تھا۔

"حریم اعجاز تم اتنی صابر شاکر لڑکی ہو کہ مجھے بعض دفعہ گمان ہونے لگتا ہے کہ تم کسی اور سیارے سے راستہ بھول کر یہاں آ گئی ہو۔" ریسیور کے دوسری جانب وہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنسی۔ اس نے بھی تو ایسی باتیں پہلے کہاں سنی تھیں۔ وہ اب ہلکا ہلکا گنگنا رہا تھا۔

"ذرا اونچی آواز میں گاؤ ناں، تمہاری آواز میں بھی بابیہ کی طرح خاصا سُر ہے......" وہ زور سے ہنسی تو نوفل کو لگا جیسے کسی مندر میں ایک ساتھ کئی گھنٹیاں بجی ہوں۔ وہ ایک دم مبہوت سا ہو گیا۔

"ہماری آواز میں سُر ہے جب کہ ملکہ عالیہ کی ہنسی ہمیں کسی خاموش وادی میں بہنے والے جھرنے کی آواز لگتی ہے جو آہستہ آہستہ دھیمے سُروں میں بہہ رہا ہو۔" اس کے لہجے کی حدت نے حریم کے رخساروں پر لالی بکھیر دی تھی۔ وہ اب بہت غور سے اُسے دل فریب انداز میں گاتے ہوئے سن رہی تھی۔ گانے کے بول اس کے دل میں اترتے جا رہے تھے۔

تم کو دیکھا، تو یہ خیال آیا
زندگی دھوپ، تم گھنا سایہ
آج پھر دل نے اک تمنا کی
آج پھر ہم نے دل کو سمجھایا

☆ ☆ ☆

''یار یہ ہے نوفل یزدانی......؟؟؟ یہ......؟؟؟'' ہانیہ علوی کے لہجے میں اس قدر حیرت تعجب اور تاسف تھا کہ حریم نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ شرمندہ ہوگئی۔

وہ آج پورے ایک ہفتے کے بعد ان کے گھر آئی تو حریم نے اُسے نوفل کی تصاویر کا بتایا تو وہ دیکھنے کے لیے بے چین ہوگئی اور پہلی ہی تصویر پڑتی کو سخت دھچکا لگا۔ دونوں اس وقت ٹیرس پر رکھے جھولے میں مزے سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ آج خاصا روشن دن تھا۔ سامنے سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھی۔

''یار یہ تو ظلم ہے، اس قدر خوبصورت لب ولہجہ کا حامل شخص اتنا عام سا ہوگا، میں مر کے بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔'' ہانیہ پر آج بآنگ دہل سچ بولنے کا دورہ پڑا ہوا تھا۔

ابھی کچھ دن پہلے ہی تو اس نے حریم کے بے پناہ اصرار پر نوفل سے بات کی تھی اور اس کی گفتگو سے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی متاثر ہوگئی تھی۔ ایک تو اس کا لہجہ بہت متاثر کن تھا اوپر سے اُسے گفتگو کرنے میں کمال حاصل تھا۔ بیس منٹ اس سے بعد کر کے ہانیہ کو کافی تسلی ہوگئی۔ وہ اُسے خاصا معقول انسان لگا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اُس پر تنقید کرنا کم کر دی تھی۔

''یار دل کرتا ہے کہ گڑ کھا کر مر جاؤں......'' ہانیہ کے دکھ میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر حریم کے سرخ چہرے پر پڑی تو اُسے کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا۔

''یہ تم کیوں شلجم کی طرح سرخ ہوتی جا رہی ہو...... خیر تو ہے ناں......؟؟؟'' اس نے لیپ ٹاپ پیچھے کی طرف کھسکاتے ہوئے اُسے غور سے دیکھا جس کا چہرہ ناگواریت لیے ہوا تھا۔

''میں شرم کے مارے سرخ ہو رہی ہوں کہ مجھے آج تک یہ کیوں نہیں پتا چلا کہ میری دوست اللہ کی بنائی ہوئی شکلوں میں ایسے بھی نقص نکال سکتی ہے۔'' حریم نے ٹھیک ٹھاک برا منایا تھا جس کا اظہار اس کے لہجے اور لفظوں سے صاف صاف ہو رہا تھا۔ وہ قدرے رخ موڑے دھوپ سینکتی نونی کو دیکھ رہی تھی۔ جس کی آنکھیں نیند سے بند تھیں۔

''کچھ خدا کا خوف کرو یار، میں نے کب اس بندے کا مذاق اڑایا ہے۔ صرف اتنا کہا ہے کہ اتنی خوبصورت آواز کا حامل شخص اتنی عام سی پرسنالٹی کا حامل ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اس کی رنگت، چھوٹے قد یا عام سے نین نقش پر ایک بھی لفظ نہیں کہا، تم نہ جانے کیوں اتنی کونشئس ہو رہی ہو......'' ہانیہ نے سنجیدگی سے اُسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

''میں تو کونشئس نہیں ہو رہی، مجھے نہ جانے کیوں لگا کہ تم اس کا مذاق اڑا رہی ہو......'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں حریم، ہمارا کوئی آج کا ساتھ نہیں، ہم گذشتہ بیس سالوں سے اکٹھے ہیں۔ میں نے آج تک کبھی سکول، کالج یا یونیورسٹی میں کسی ایک کا بھی مذاق اڑایا ہو تو مجھے بتاؤ؟'' اُس کے دوٹوک انداز پر حریم کچھ لمحوں کو تو کچھ بھی نہیں بول سکی۔

''تمہیں پتا نہیں کیا ہو گیا ہے، یہ شخص گذشتہ تین ماہ سے تم سے رابطے میں ہے۔ تم نے اس کی خاطر اپنے گذشتہ بیس بائیس سالوں کے

اصول توڑ دیے۔ میں نے تو تب بھی تمہیں کچھ نہیں کہا۔ مجھے دن رات تمہارا اس سے بات کرنا پسند نہیں، لیکن تمہاری بیسٹ فرینڈ ہونے کے ناطے میں نے پھر بھی منع نہیں کیا۔ تم نے اسے اٹھا کر اپنی درجنوں تصاویر میل کر دیں، میں تب بھی چپ رہی۔ تم نے کتنی صاف ستھری زندگی گزاری ہے مجھ سے زیادہ کوئی جان سکتا ہے بھلا؟ میں ہر لمحہ دعا کرتی ہوں کہ اللہ تمہیں کسی آزمائش میں نہ ڈالے۔ لیکن خدارا تم اس شخص کی خاطر مجھ پر غلط الزام تو مت لگاؤ......'' ہانیہ کی آواز پہلے سے زیادہ بلند اور ناگواری کا تاثر لیے ہوئے تھی۔ وہ اپنے تراشیدہ بالوں کو جھٹکتے ہوئے اچھل کر جھولے سے اتری اور گرل کے پاس جا کر رواں دواں ٹریفک کو دیکھنے لگی۔

''آئی ایم سوری یار...... میں پتا نہیں کیوں اتنی زیادہ حساس ہو رہی ہوں......'' وہ بھی اُس کے پیچھے آکر کھڑی ہوگئی۔ تاسف بھرے انداز سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے معذرت کر رہی تھی۔ جب کہ ہانیہ لاتعلقی سے جھک کر لان میں انار کے درخت پر چڑھی گلہری کو دیکھ رہی تھی۔ خزاں نے ہر چیز پر ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ ٹنڈ منڈ درختوں کی برہنگی عجیب سی لگ رہی تھی۔ وہ کچھ دیر چپ رہی اور پھر اپنے پاس مضطرب سے انداز سے کھڑی حریم کو مخاطب کیا۔

''دیکھو حریم حساس ہونا اچھی بات ہے لیکن اعتدال زندگی کے ہر معاملے کے ساتھ ساتھ رویوں اور جذبات کے لیے بھی ضروری ہے۔ حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت اور حساسیت آپ کی زندگی کو تو مشکل بناتی ہی ہے لیکن آپ کے ساتھ رہنے والے لوگوں کو زیادہ تنگ کرتی ہے۔ گوشت پوست کا بنا دل تو ہر انسان کے سینے میں ہوتا ہے تو اگر آپ آزردہ ہو رہے ہیں تو کیا ضروری ہے کہ دوسروں کو اپنے الفاظ اور رویے کے ساتھ بھی دکھی کریں......''

''حریم نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔ ہانیہ کے الفاظ ولہجہ اس کے لیے مزید شرمندگی کا باعث بنے تھے۔''سوری یار، مجھے پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ ماما کی بیماری اور تمہاری بینک کی مصروفیت نے مجھے تنہا کر کے مزید چڑچڑا کر دیا ہے......''

''دیکھو حریم اب تم وضاحت دے کر مزید غلطی کر رہی ہو، دیکھو غلط رویوں یا باتوں کی کتنی ہی درست وجہ کیوں نہ ہو لیکن وہ درست نہیں ہوتی۔ آپ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہوتے ہیں۔ آپ کو دوسروں کی غلط چیزوں کی وجہ سے اس بات کا پرمٹ نہیں مل جاتا کہ آپ خود بھی غلط راستوں پر چل پڑیں۔'' ہانیہ نے اس کی بات کاٹ کر بڑی سرعت کے ساتھ انتہائی محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔ حریم کے لبوں پر بڑی پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''وہ کتنا بھی عام شخص کیوں نہ ہو، لیکن تمہارے لیے خاص ہے۔ اس لیے میرے لیے بھی قابلِ احترام ہے۔ میرا مقصد بس اتنا ہے کہ بہت زیادہ عجلت میں یہ سارے مراحل طے مت کرو اور لفظوں کے پیچھے مت بھاگو۔ یہ دھوکا دیتے ہیں۔ ان کا اپنا کوئی لباس نہیں ہوتا۔ ہر کوئی ان کو خوبصورت پیراہن پہنا کر آپ کے سامنے لاتا ہے۔ لفظوں کے جسم کو مت دیکھو، ان کی روح کو سمجھو۔ جسم تو دھوکا ہوتا ہے۔ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ جب چیزوں کو ان کے اصل رنگ سے دیکھنا شروع کرو گی تو کبھی ہرٹ نہیں ہوگی۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو یار لیکن میں کیا کروں، وہ شخص تین ماہ میں میرے بہت قریب آ گیا ہے۔ میں اس کو اپنے ذہن سے جتنا بھی جھٹکنے کی

کوشش کروں۔ وہ اتنا ہی میرے حواسوں پر سوار ہو رہا ہے۔'' وہ سر جھکائے ایسے بول رہی تھی جیسے اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہی ہو۔

''اُس۔ اوکے یار۔ میں سمجھ سکتی ہوں......'' ہانیہ نے مسکرا کر بڑے پیار سے اس کے گالوں کو چھوا تھا۔ جب کہ وہ اب بوگن ویلیا کی بیل کو غور سے دیکھ رہی تھی جس پر خزاں نے بھی کوئی اثر نہیں چھوڑا تھا۔ اس پر تتلیاں محو رقص تھیں۔ اُس نے دلچسپی سے سامنے سڑک پر جاتے ایک خوش وخرم جوڑے کو دیکھا تھا۔ لڑکی اپنے ساتھ چلتے ہوئے مرد کی باتوں پر بے تحاشا ہنس رہی تھی۔ ہانیہ نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''لیکن اب وہ کہتا کیا ہے......؟؟؟'' وہ بہت نرمی سے اس کے ہاتھ دبا کر اس سے پوچھ رہی تھی۔ اُس کی بات پر حریم ایک دم بلش ہوئی۔

''وہ کہتا ہے کہ......'' وہ تھوڑے سے تذبذب کا شکار ہوئی تو ہانیہ نے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر اُسے مزید بولنے پر اکسایا۔ سیاہ رنگ کے سوٹ میں وہ کسی اداس غزل کا ایک خوبصورت سا مصرعہ لگ رہی تھی۔ وہ عام سی تھی لیکن اس میں ایک محسوس کی جانے والی جاذبیت تھی۔

''وہ اپنی بھابھی کو پرپوزل کے لیے بھیجنا چاہتا ہے......'' کسی دلفریب خیال نے حریم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

''ہوں......ویلس گڈ......تو تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے......'' اس کی بات پر حریم نے الجھ کر اس کا مسکراتا چہرہ دیکھا۔

''وہ ساری دنیا کے ساتھ جھوٹ بول سکتا ہے لیکن میرے ساتھ نہیں......'' اس کے لہجے میں اس قدر یقین تھا کہ ہانیہ چند لمحوں کے لیے ششدر رہ گئی۔

''مجھے لگتا ہے کہ میرے سوچنے، سمجھنے کی ساری صلاحیتیں مفلوج ہو گئی ہیں۔ بہت عرصے کے بعد مجھے زندگی اچھی لگنے لگی ہے......'' اس نے ہونٹ چباتے ہوئے ایک اور اعتراف کیا تھا۔ جب کہ ہانیہ نے ہاتھ میں پکڑے گلاس کے کناروں پر انگلی پھیرتے ہوئے بڑے سکون سے سر اٹھا کر بڑے ہموار لہجے میں کہا۔

'عورت جب کسی سے محبت کرتی ہے تو وہ اپنے محبوب کے سامنے اندھی، بہری اور گونگی ہو جاتی ہے۔ وہ صرف وہ منظر دیکھتی ہے جو اس کا محبوب اُسے دکھاتا ہے۔ وہ صرف وہ باتیں سنتی ہے جو وہ سنانا چاہتا ہے۔ وہ صرف وہ بولتی ہے جو اس کا محبوب اس سے سننا چاہتا ہے۔ باقی دنیا چاہے چیختی رہے۔ اس کی سماعتیں کچھ نہیں سنتی۔ اس کے اپنے ہاتھ پکڑ کر اسے اندھا کنواں تک کیوں نہ دکھا دیں۔ وہ نہیں مانتی۔ اُس کے پیارے دنیا جہاں کی طاقتیں صرف کر دیں وہ اپنے محبوب کے خلاف ایک لفظ نہیں بولتی۔ یہ کیسی محبت ہے یار، جو دیکھنے، سننے، سوچنے اور بولنے کی صلاحیتیں چھین لیتی ہے۔''؟؟؟؟؟

''پتا نہیں یار، لیکن اس محبت نے مجھے بے بس سا کر دیا ہے......'' اُس نے ایک اور اعتراف کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

''وہ کیا کرتا ہے؟ اس کا کیریئر کیا ہے؟ تمہیں کہاں رکھے گا......؟ میں یہ سوال بعد میں کروں گی تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اُسے اپنے نکاح کا بتایا......؟؟؟'' ہانیہ کی بات پر ایک تاریک سا سایہ حریم کے چہرے پر بڑی تیزی سے پھیلا تھا۔

''مجھے ڈر لگتا ہے یار، میں اُسے کیسے بتاؤں کہ میری ماما نے زبردستی میرا نکاح خالہ زاد کزن کے ساتھ اس وقت کر دیا تھا جب میں فسٹ

ایبری کی اسٹوڈنٹ تھی اور پھر میرا مستقبل محفوظ اور روشن کرنے کے لیے اس لڑکے کو اپنے خرچے پر امریکہ بھجوا دیا جس نے اپنی اسٹڈی مکمل ہونے کے بعد مجھے طلاق بھجوا کر امریکن نیشنلٹی کے لیے اپنی ایک کلاس فیلو سے شادی کر لی۔ مجھے پورے پانچ سال لٹکائے رکھا.....'' اُس کے دکھی لہجے میں طنز نہیں اپنی بے وقعتی کا احساس تھا جو اُسے مار رہا تھا۔

''لیکن یہ بات ایسی ہے جسے بتانا تو پڑے گا.....'' ہانیہ نے پریشانی بھری جھنجھلاہٹ کے ساتھ اس کا مضطرب چہرہ دیکھا تھا۔

''میرا نہیں خیال کہ اُسے اس چیز سے کوئی فرق پڑے گا، اگر وہ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔'' ہانیہ نے آس کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھمائی تھی۔ حریم کے لبوں پر بڑی مبہم سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

''وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے اس بات کا مجھے اتنا ہی یقین ہے جتنا کہ مجھے اپنی ذات کے ہونے کا ہے.....'' اس کی بات پر ہانیہ کی قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ وہ سخت تحیر کے عالم میں اُس کے چہرے پر پھیلی قوس وقزاح کو دیکھ رہی تھی جس نے اس کے چہرے کی دلکشی میں چار گنا اضافہ کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

سفیدے کے درختوں میں گھری روش پر چلتے چلتے اس نے ایک لمبا سا سانس لیا تھا۔ بلیک جینز پر لمبا سا آتشی رنگ کا اپر اوڑھے وہ ای نائن سیکٹر میں بنے فاطمہ جناح پارک میں جوگنگ کے لیے آئی تھی۔ جنوری کی ایک سرد سی کہر آلود صبح نے بھی اس کے معمولات میں کوئی تعطل نہیں ڈالا تھا۔ وہ پچھلے کافی سالوں سے، پہلے بابا کے ساتھ اور پھر ان کی وفات کے بعد ہنی کے ساتھ جوگنگ کے لیے آتی تھی، لیکن موسم میں شدت آنے کے ساتھ ہی ہانیہ اپنے گرم بستر سے باہر نکلنے سے صاف انکار کر دیتی تھی۔ جس کی وجہ سے اُسے اکیلے ہی آنا پڑتا تھا۔

اب بھی دو چکر لگانے کے بعد وہ تھک کر سنگ مرمر کے بنے بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔ تاحدِ نگاہ دھند ہی دھند تھی۔ اس سرد موسم میں اس کے جیسے اکا دکا سر پھرے لوگ ہی پارک میں مارننگ واک کے لیے موجود تھے۔ سردی کی شدت سے پرندے بھی اپنے اپنے گھونسلوں میں دبکے بیٹھے تھے۔ اس نے سفید رنگ کے چھوٹے سے خرگوش کو بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا جو شیشم کے درخت میں بنی ہوئی کھوہ میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تیز تیز واک کرنے کی وجہ سے اس کا جسم جو کافی گرم ہو گیا تھا، اب کچھ دیر بیٹھنے کی وجہ سے اُسے ٹھنڈ لگنے لگی تھی۔ اس نے سردی سے ٹھٹھرتے ہاتھوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رگڑ رگڑ کر گرم کرنے کی کوشش کی تھی۔ جینز کی جیب سے اس نے سیل فون نکال کر اس کا نمبر ڈائل کیا جو کہ پہلی ہی بیل پر اٹھا لیا گیا تھا۔

''اوہ دنیا کی مضبوط ترین لڑکی، خدا کے واسطے اس ٹھنڈ میں آبی بخارات بن کر جم جاؤ گی۔ اب گھر چلی جاؤ.....'' نوفل کال اٹینڈ کرتے ہی حسب عادت شروع ہو گیا تھا۔ اتنی صبح اس کی خوشگوار، چہکتی ہوئی آواز نے حریم کی صبح کو خاصا دلکش بنا دیا تھا۔

''تمہیں پتا ہے کہ گذشتہ کافی سالوں سے میری اور بابا کی یہی روٹین تھی۔ جس میں بس اس دن خلل آیا تھا۔ جس دن بابا کی ڈیتھ ہوئی تھی۔'' وہ تھوڑا سا افسردہ ہوئی۔

''تو کیا تم اپنی شادی والے دن بھی مارننگ واک کرنے جاؤ گی؟؟'' وہ تھوڑا سا شوخ ہوا جب کہ اس کی بات پر حریم بڑی تیزی سے

بلش ہوئی تھی۔

''تم یہ بتاؤ، کہ صبح کی نماز پڑھی ہے کہ نہیں......؟؟؟'' حریم نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اس کی توجہ دوسری جانب مبذول کروائی تھی۔ اس چار ماہ کی دوستی میں حریم نے کافی حد تک اسے نماز کا پابند بنا دیا تھا۔

''جناب جامع مسجد میں پوری جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر آیا ہوں۔'' اس نے مکمل سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا تھا پھر کچھ توقف کے بعد گویا ہوا۔ ''میرے لیے آج دعا کرنا، آج میرا انٹرویو ہے۔ اگر یہاں میری جاب ہوگئی تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔''

''اللہ بہتر کرے گا......'' اس نے دل سے دعا دی تھی۔

''جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو۔ مجھے اپنے اندر بہت زیادہ انرجی محسوس ہوتی ہے۔ بس دل کرتا ہے کہ فوراً اسٹیبلش ہو جاؤں تاکہ جب تم یہاں آؤ تو تمہیں کسی تنگی کا احساس نہ ہو......'' ہوا کا سرد جھونکا اس کے چہرے کو چھو کر گزر رہا تھا اس نے اپنے سامنے سے دھند کو چھٹتے دیکھا تو مسکرا دی۔

''یقین کرو حریم۔ مجھے اس بات پر یقین آ گیا ہے کہ اللہ جوڑے آسمانوں پر بناتا ہے اور انہیں زمین پر ملواتا ہے۔ میری بھابھیوں کا خیال تھا کہ میری عام سی شکل وصورت اور معمولی سی نوکری کی وجہ سے مجھے کوئی لڑکی گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔ ان کو معلوم ہی نہیں کہ میرا ستارہ ایک روشن مدار میں داخل ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ ہم دونوں مل کر ایک نئی اور خوبصورت زندگی کی بنیاد رکھیں گے۔'' اس کے لہجے کی مضبوطی نے حریم کے دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کیا تھا۔ جذبات کی حدت نے باہر ماحول کی سردی کے احساس کو کم کر دیا تھا۔

''مجھے کبھی کبھی بہت ڈر لگتا ہے نوفل، کہیں کچھ ہو نہ جائے......'' اس نے سامنے اوس میں بھیگی ہوئی سڑک پر پھیلے پتوں کی چادر کو دیکھتے ہوئے اُداسی سے کہا تھا۔

''بے وقوف ہو تم، جو ایسا سوچتی ہو۔ کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں......'' اس کی بات نے دل کو عجیب سی تقویت دی تھی۔ وہ اب کھل کر مسکراتے ہوئے بلند و بالا صنوبر کے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔ اُسے لگا تھا کہ اس کی قسمت کا ستارہ بھی بلندیوں کی طرف محوِ پرواز ہے۔

''میں تو حیران ہوتا ہوں یار تم اچھی خاصی خوبصورت، پڑھی لکھی اور ویل اسٹیبلش فیملی سے تعلق رکھتی ہو۔ تمہارے بھائیوں کا سوسائٹی میں ایک مقام ہے۔ ورنہ تو مجھے چاہیے کہ وہ ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے عام سے بندے کو جس کے پاس ایم۔ اے کی ڈگری کے سوا کچھ نہیں، کوئی جائیداد و بینک بیلنس اور رہنے کے لیے اپنا گھر تک بھی نہیں۔ وہ کیسے اپنی اکلوتی بہن کا ہاتھ تھمائیں گے......؟'' نوفل کی آواز میں ہزاروں اندیشے ہلکورے کھا رہے تھے۔

''وہ تو شکر ادا کریں گے کہ چلو کسی طرح بھی سہی ان کی جان تو چھوٹی......'' اس کے طنزیہ لہجے میں جی بھر کے تلخی تھی۔ اس کی بڑبڑاہٹ کو دوسری جانب وہ ٹھیک سے سمجھ نہیں پایا تھا۔ ''کیا کہا تم نے ذرا اونچی آواز میں بولو ناں......''

''وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی اور سامنے لگے، درختوں کے پتوں میں چھپی ہوئی چڑیا کو دیکھ کر بولی۔ ''ٹینشن مت لو ایسا کچھ نہیں ہونے والا، بابا کی وفات کے بعد جب بھائیوں کو پتا چلا تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں یہ اسلام آباد والا گھر میرے نام کر دیا تھا۔ تب سے ان کے مزاجوں میں نمایاں تبدیلی آئی ہے حالانکہ ان کی بیگمات کے رویوں کو دیکھتے ہوئے ہی بابا نے یہ فیصلہ کیا تھا اور جب جنید والی بات سامنے آئی تو تب بابا بہت

ہی زیادہ سب سے بدگمان ہوگئے تھے۔''بات کرتے کرتے اس نے اپنی زبان کو دانتوں تلے دابا تھا، لیکن بات منہ سے نکل کر دوسری جانب موجود شخص کی سماعتوں تک پہنچ ہی گئی تھی۔

''جنید! یہ کون ہے؟؟؟'' وہ بری طرح سے چونکا تھا۔ جب کہ حریم کو خود بھی جھٹکا لگا تھا۔ وہ بری طرح گڑبڑا گئی تھی۔ اس نے اپنے پیروں کے پاس پڑی ہوئی بے جان تتلی کو غور سے دیکھا تھا جو شاید موسم کی شدت کی تاب نہیں لا سکی تھی۔

''کوئی نہیں..... میرا کزن تھا خالہ زاد، بابا کے بزنس میں ہاتھ بٹاتا تھا۔ اس نے کوئی مالی گھپلا کیا تھا۔ کبھی تفصیل سے بتاؤں گی۔ ابھی میں لیٹ ہو رہی ہوں۔ گھر جا کر ماما کو ناشتہ بھی کروانا ہے.....'' اس نے عجلت میں بات سنبھالی تھی اور بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔ یخ بستہ ہوا اب اس کے بدن کو چیر رہی تھی۔ وہ اب فوراً گھر جانا چاہتی تھی۔

''ہاں چلو ٹھیک ہے۔ مجھے خود بھی اپنے لیے ناشتہ بنانا ہے۔ بھابیوں کے اٹھنے سے پہلے پہلے۔ ورنہ مجھے صبح صبح کچن میں دیکھ کر ان کا مزاج برہم ہو جاتا ہے۔'' دوسری جانب وہ بھی لاپرواہی سے ہنسا تھا۔ زیادہ دیر تک سنجیدہ رہنا اس کے لیے ممکن بھی نہیں تھا۔ اس طرح کے حالات میں رہنے کے باوجود اس کی خوش مزاجی بعض دفعہ حریم کو سخت حیران کرتی تھی۔ اسے اس بندے کے اعصاب پر رشک آتا تھا۔

☆ ☆ ☆

''محبت کسی عام سے بندے کو بھی انتہائی پرکشش اور خوبصورت بنا دیتی ہے......'' یہ بات اس نے کسی کتاب میں پڑھی تھی لیکن اس کا یقین اسے اس دن آیا تھا جب وہ ماما کی ٹانگوں کا مساج کر کے فارغ ہوئی تو انہوں نے انتہائی نرمی اور پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

''حریم کیا بات بیٹا، ماشاء اللہ بہت پیاری ہوتی جا رہی ہو......'' ماما کی بات پر وہ زبردست چونکی اور حیرانگی سے ماما کو دیکھا جنہوں نے بابا کی وفات اور اپنی بیماری کے بعد بولنا بہت کم کر دیا تھا۔ وہ ساری دنیا سے ہی خفا لگتی تھیں۔ اس نے بلا ارادہ ہی سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں اپنا عکس دیکھا، کچھ لمحوں کے لیے وہ بھی مبہوت رہ گئی تھی۔

''واقعی ماما......؟؟؟'' اس کی آنکھوں میں چمکتے ستاروں سے صالحہ بیگم نے بمشکل نظر چرا کر دل ہی دل میں اسے نظر بد سے بچنے کے لیے دعا دی تھی۔ ماما کی آنکھوں میں اس کے لیے بے حد ستائش تھی۔ اپنی اکلوتی بیٹی سے انہیں بے پناہ محبت تھی لیکن قسمت نے ان کی لاڈلی کو عجیب سے پھیر میں ڈال دیا تھا۔

''آئی ایم سوری بیٹا......'' صالحہ بیگم نے نم آنکھوں کے ساتھ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور وہ بے اختیار ان کے گلے لگ گئی تھی۔

''سوری بیٹا۔ مجھ سے بہت غلط فیصلہ ہوا۔ میرا خیال تھا کہ جنید میرا سگا بھانجا ہے اور میری اکلوتی بیٹی کو پھولوں کی طرح رکھے گا، لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ میری بہن کی ساری ہی اولاد اتنی خود غرض اور مطلبی نکلے گی۔'' صالحہ بیگم کے لہجے میں صدیوں کی تھکن اتر آئی تھی۔ اپنے فیصلے کے غلط ہونے کا احساس انہیں دن رات اضطراب میں مبتلا رکھتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کڑھتی رہتی تھیں۔

''چھوڑیں ماما، میری قسمت میں ہی ایسے لکھا تھا۔ انسان اپنی طرف سے تو اچھا ہی سوچتا ہے ناں۔'' حریم کے انداز میں سادگی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کمرے کی کھڑکیوں سے پردے ہٹائے تو سامنے آسمان پر سیاہ بادل اٹھکیلیاں کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ دیوار سے لپٹی بیل پر چڑیوں نے ایک اودھم سا مچا رکھا تھا۔

''لیکن میں اپنے آپ کو اس چیز کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ آپ کے بابا آخری وقت تک راضی نہیں ہو رہے تھے ان کا کہنا تھا کہ بچوں کے رشتے ناطے اپنے ہم پلہ لوگوں میں ہی جوڑنے چاہیے۔ اب سوچتی ہوں کہ وہ ٹھیک ہی کہتے تھے۔ میں نے اپنی طرف سے غریب بہن کا بھلا کیا، لیکن اس کی اولاد نے میرے ساتھ کیا کیا؟ بھانجی کی شادی اپنے سب سے قابل بیٹے کے ساتھ کی، اور اسی نے مجھے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال دیا۔ جب کہ بھانجا اپنے مطلب تک خاموش رہا اور جیسے ہی اپنے پیروں پر کھڑا ہوا۔ اسی نے سب سے پہلے میری ہی بیٹی پر ''طلاق یافتہ'' کا ٹھپہ لگا دیا......'' وہ بے آواز رو رہی تھیں۔ پر حدت قطرے ان کے گالوں پر نہیں حریم کے دل پر گر رہے تھے۔ وہ بے چین ہوئی۔

''کیوں آپ ماضی کی تلخ باتوں کو یاد کر کر کے خود کو ہلکان کرتی ہیں۔ دفع کریں ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق ہی کرتا ہے۔ باقی شگفتہ خالہ کے بارے میں تو سارا خاندان کہا کرتا تھا کہ وہ اپنے مطلب کے لیے صالحہ بیگم کی خوشامدیں کرتی تھیں۔ کس کو نہیں پتا ان کا......؟'' اس نے ان کے ہاتھ سہلاتے ہوئے تسلی دی۔

''مجھے دکھ اپنی بہن کا نہیں، اپنے بیٹوں کا ہے۔ حماد میری پہلی اولاد تھا سب سے زیادہ لاڈلہ، اب جو جویریہ کہتی ہے اسی کی آنکھوں سے

دیکھتا ہے۔اُسی کے کانوں سے سنتا ہے۔مہینوں میری طبیعت پوچھنے نہیں آتا۔جب کہ فواد باہر سیٹل ہوا تو مجھے صرف پانچ منٹ کے لیے ملنے آیا اور جواد بھی کبھی کبھار ہی اوپر جھانکتا ہے۔ہم دونوں ماں بیٹی کو ایسے اوپر والے پورشن میں منتقل کر رکھا ہے جیسے ہمیں خدانخواستہ کوئی چھوت کی بیماری ہو......''ان کے آنسو پھر سے بہہ نکلے تھے حریم کا دل جیسے پوری قوت سے کسی نے جکڑ لیا تھا۔صالحہ بیگم بہت کم اپنے جذبات کا اظہار کرتی تھیں آج نہ جانے کیوں ان کا دل بھرا ہوا تھا۔

''جنید کے پیپرز بھجوانے کے بعد جب تمہارے بابا نے یہ گھر تمہارے نام کیا تو میں ان سے بہت لڑی تھی کہ یہ تو میرے بیٹوں کا حصہ ہے تب انہوں نے کہا کہ میرے فیصلے کی دور اندیشی کا اندازہ تمہیں بہت بعد میں ہوگا۔اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ وہ کتنے زمانہ شناس تھے۔''حریم نے بے حد محبت کے ساتھ انہیں اپنے ساتھ لگا کر رونے دیا۔

''حماد کی بیگم جویریہ پورے خاندان میں زبان چلاتی پھرتی ہے کہ خالو نے ان کے ساتھ اچھا نہیں کیا......''انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے مزید کہا''حالانکہ اعجاز صاحب نے کسی کے ساتھ بھی زیادتی نہیں کی،بیٹوں کو مہنگے سیکٹر میں پلاٹ لے کر دیے،دو فیکٹریاں چھوڑیں،کروڑوں کا اسٹیبلش بزنس چھوڑ کر گئے لیکن پھر بھی ان کی نظریں تمہارے حصے کی طرف لگی ہوئی ہیں جو شرعی لحاظ سے بھی تمہارا ہی حصہ بنتا ہے.....''ان کا انداز خفگی لیے ہوئے تھا۔

''ماما،آپ ان ساری باتوں کو بھول نہیں سکتیں،چلیں مجھے سچ سچ بتائیں کیا میں واقعی خوبصورت ہوتی جا رہی ہوں.....''اس نے ان کی توجہ بڑی مہارت کے ساتھ دوسری جانب مبذول کروائی تھی۔اس کے لہجے میں موجود شرارت کو محسوس کر کے صالحہ بیگم بھرائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ہی مسکرا دیں تھیں۔

''اللہ میری بیٹی کی قسمت بہت اچھی کرے اور قدر کرنے والے لوگوں کے ساتھ نصیب جوڑے۔ورنہ بے قدری سے بڑا کوئی اور دکھ نہیں ہوتا۔''ان کے لہجے میں صدیوں کا دکھ رقم تھا۔حریم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا وہ کھڑکی سے باہر آسمان پر اڑتے روئی کے گالوں جیسے بادلوں کو دیکھ رہی تھی۔

''دیکھیں ماما کتنا دلفریب موسم ہے،میں جمیلہ سے کہہ کر پکوڑے بنواتی ہوں.....''وہ بڑے جوش سے اٹھی تھی۔پچھم کی طرف سے آنے والے بادل اب ہوا کے ساتھ شرارتیں کرنے میں مگن تھے۔کچھ ہی دیر کے بعد بارش اپنی پوری قوت کے ساتھ زمین کی گود میں برس رہی تھی۔اس نے جمیلہ کی مدد سے انہیں ویل چیئر پر بیٹھایا تھا اب دونوں ماں بیٹی گلاس وال سے تواتر سے برسنے والی بارش سے لطف اندوز ہو رہی تھیں جب نیلے رنگ کا چھاتا تانے ہوئے ہانیہ اپنے ٹیرس سے چھلانگ لگا کر ان کی طرف آئی تھی۔

''دیکھ لیجئے گا ماما،یہ کسی دن ٹیرس سے چھلانگیں لگاتے ہوئے لولی لنگڑی ہو جائے گی.....''حریم نے مصنوعی غصے سے اُسے گھورا تھا جو تیز بارش کی بوچھاڑ میں سردی سے کانپتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی اور اب اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ گیس ہیٹر کے اوپر ہی بیٹھ جائے۔

''دیکھ لیں آنٹی ایک اس کی محبت میں بارش کا طوفان عبور کر کے آتی ہوں اور اسے میری ذرا قدر نہیں۔''اس نے ٹرالی سے پکوڑوں کی پلیٹ اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لی تھی۔صالحہ بیگم اس کی بے تکلفی پر ہنس پڑیں تھیں۔

انہیں ہانیہ شروع ہی سے پسند تھی اور حریم نے فواد کے لیے بہت زور بھی لگایا تھا لیکن اس وقت ان پر خاندان کی بیٹیوں کی محبت سوار تھی اور بہت دیر بعد انہیں پتا چلا تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ فواد شادی کے فوراً بعد دبئی میں شفٹ ہو گیا تھا۔ وہ بہت دن تک اپنے اس فیصلے پر پچھتاتی رہی تھیں حالانکہ ہانیہ کی والدہ ان کی بہت اچھی دوست تھیں اور فواد کی شادی کے بعد انہوں نے ان کے گھر آنا جانا بھی بہت کم کر دیا تھا۔ انہیں صالحہ بیگم کے اس فیصلے کا بہت دکھ تھا۔ ان کی تین ہی بیٹیاں تھیں اور انہیں نہ جانے کیوں لگتا تھا کہ صالحہ اپنے بیٹوں کی شادیاں کرتے ہوئے ان کی ایک آدھ بیٹی کو اپنی بہو ضرور بنائیں گی۔

''بیٹا، حریم ٹھیک کہتی ہے تم نیچے سے آیا کرو، اتنے خراب موسم میں کہیں پاؤں واؤں پھسل گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔'' صالحہ بیگم نے بھی نرمی سے ٹوکا تھا جسے اس نے پکوڑے چٹنی میں بھگوتے ہوئے چٹکیوں میں اڑا یا تھا۔

''ارے آنٹی اب ہماری پھسلنے کی عمر نہیں رہی، جب عمر تھی تب نہ پھسلے، اب بڑھاپے میں کیا پھسلنا.....'' وہ ہیٹر کے پاس پھسکڑا سا مارے بیٹھی تھی۔

''یہ بڑھاپا ہے تمہارا، تو پھر لگتا ہے کہ جوانی تو آئی ہی نہیں.....'' حریم نے طنزیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ سرخ رنگ کے سوٹ میں اس کی شہابی رنگت دمک رہی تھی۔ اس کی والدہ کا تعلق کشمیر سے تھا، اور بقول فواد کے سارا کشمیری حسن تو اس کی والدہ سمیٹ ساٹ کر لے آئی تھیں۔ پانچ فٹ پانچ انچ قد کے ساتھ اس کا جسم کسی سانچے میں ڈھلا ہوا لگتا تھا۔ حریم کو یاد آیا کہ فواد اس کا خاصا دیوانہ تھا اور وہ اکثر ہانیہ کا نام لے کر اس سے کئی کام نکلوا لیتی تھی۔ ماضی کی یادیں بارش کی بوندوں کے ساتھ ہی اس کے ذہن و دل پر برس رہی تھیں۔ افسردگی اور رنجیدگی نے اچانک ہی اس پر حملہ کیا تھا۔ جب کہ وہ اس کی سوچوں سے بے نیاز شگفتگی سے کہہ رہی تھی۔

''ارے آنٹی آپ کی سڑیل بہوؤں سے سلام دعا لینے سے اچھا ہے کہ میں اوپر سے ہی چھلانگیں مار کر آ جایا کروں۔ جب سے میرے ماموں زاد بھائی نے ثمرہ بھابھی کی بہن کے رشتے سے انکار کر کے ثانیہ آپی کے ساتھ منگنی کی ہے، بھابھی مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتی ہیں۔'' وہ اب رس چائے میں ڈبو ڈبو کر کھا رہی تھی۔

''ثمرہ نے کیا اپنی بہن کے رشتے کی بات چلائی تھی حسن کے ساتھ.....؟؟؟'' صالحہ بیگم نے سخت حیرت سے پوچھا تھا۔ ثمرہ ان کی بھتیجی اور سب سے چھوٹے بیٹے جواد کی بیوی تھی۔ حریم نے یہ سیکرٹ آؤٹ کرنے پر کھا جانے والی نظروں سے ہانیہ کو دیکھا تھا جو اس کی گھورتی نظروں سے بے نیاز اب کباب پلیٹ میں رکھ رہی تھی۔

''جی ہاں، رشتے کروانے والی خاتون کے ہاتھ پیغام بھجوایا تھا، لیکن ماما نے کہہ دیا کہ حسن کے حوالے سے ماموں نے دو ماہ پہلے ہی ثانیہ آپی کے لیے بات کی ہے اور سب سے بڑی بات حسن بھائی خود بھی آپی میں انٹرسٹڈ تھے۔ اتنا عرصہ تو وہ پڑھائی کے سلسلے میں ہمارے گھر مقیم رہے تھے۔'' ہانیہ نے لاپرواہی سے بتایا۔ اس کی سب سے بڑی بہن ہما شادی کے بعد آسٹریلیا میں مقیم تھی جب کہ ثانیہ اور حسن دونوں ہی آرمی میڈیکل کالج راولپنڈی میں میڈیکل کی تعلیم حاصل کرتے رہے تھے۔ حسن کا تعلق چکوال سے تھا اور پڑھائی کے سلسلے میں کافی سال ان کے گھر رہا تھا۔ اس

وجہ سے اس کا صالحہ بیگم کی طرف بھی کافی آنا جانا تھا۔ ثمرہ نے اسے وہیں دیکھا تھا۔

''پھر.....؟؟؟'' صالحہ بیگم نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا جواب ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

''پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی، ثمرہ بھابھی نے رشتہ کروانے والی کو کھری کھری سنائیں اور کہا کہ ہانیہ، ثانیہ کی ماں نے اپنی بیٹیوں کو کھلی اجازت دے رکھی ہے اور وہ خود اپنے رشتے ڈھونڈتے پھرتی ہیں اور لائق فائق لڑکوں کو اپنے جال میں پھنسا رہی ہیں اور الم غلم.....'' اس نے اپنے مخصوص لاپرواہانہ انداز سے معاملے کی سنگینی کو کم کر کے بتایا تھا لیکن صالحہ بیگم کو سخت صدمہ ہوا تھا۔

''دماغ خراب تو نہیں ہو گیا ثمرہ کا، جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتی پھر رہی ہے، وہ رشتہ کروانے والی ہر گھر میں جا کر یہ کہانی سنائے گی۔ میں بات کروں گی افتخار بھائی سے'' ان کو ایک دم ہی اشتعال آیا تھا۔ جب کہ ان کی بات پر آگ سینکتی ہوئی حریم زبردست چونکی۔

''خدا کے واسطے ماما، آپ ماموں سے کوئی بات نہیں کریں گی.....'' حریم نے باقاعدہ ان کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔ ''آپ کو پتا تو ہے کہ افتخار ماموں اپنی اولاد کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کرتے ہیں۔ کیوں ایک نئے طوفان کو دعوت دے رہی ہیں وہ آپ کو تو کچھ نہیں کہیں گے اور جواد بھائی کو جھڑ کا کر بھیج دیں گے، پھر ایک نیا تماشا شروع ہو جائے گا'' حریم نے قدرے سخت اور دو ٹوک انداز میں کہا تھا۔

''جب سے جویریہ بھابھی کی بہن کی شادی ہوئی ہے ثمرہ بھابھی کا بس نہیں چل رہا کہ کوئی ڈاکٹر انجینئر پکڑ کر اپنی بی۔ اے پاس بہن کی شادی کروا دیں۔ آج کل خالہ اور ماموں میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی جو جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ آپ اس کا حصہ نہ ہی بنیں تو اچھا ہے۔ دونوں کو لڑنے مرنے دیں۔'' حریم اپنے ننھیالی رشتوں سے سخت بے زار تھی۔ ددھیال کی طرف سے اس کے صرف ایک تایا تھے جو پچھلے تیس سالوں سے کینیڈا میں مقیم تھے۔ جب کہ ننھیالی رشتے داروں میں خالہ اور ماموں تھے۔ دونوں کی ہی چار چار بیٹیاں اور ایک ایک بیٹا تھا۔ خالہ کی دو اور ماموں کی ایک بیٹی حریم کی بھابھی تھی۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے جو تم ماما کو ثمرہ بھابھی کا کارنامہ سنانے بیٹھ گئیں، اب وہ گھنٹوں اس بات پر کڑھتی رہیں گی۔ میں نے ان کی آزردگی کے خیال سے یہ بات ان سے چھپا رکھی تھی'' اپنے کمرے میں آتے ہی حریم نے اس کی ٹھیک ٹھاک کلاس لی تھی۔ جب کہ وہ چھلانگ لگا کر بیڈ پر چڑھ کر اب کمبل اپنے اوپر تان کر لیٹ گئی تھی۔

''جب تمہارا غصہ کم ہو جائے تو مجھے بتا دینا، میں منہ باہر نکال لوں گی.....'' اس کی شوخ آواز پر حریم نے اپنی ہنسی کو بمشکل چھپاتے ہوئے کمبل اس کے اوپر سے زبردستی اٹھا کر سامنے صوفے پر رکھ دیا تھا۔ وہ اب ایک گٹھڑی کی صورت بنی بیٹھی اُسے کوس رہی تھی۔

''شرم کرو، اتنے سرد موسم میں کوئی دشمن بھی ایسی گھٹیا حرکت نہیں کرتا، جو تم نے کمبل میرے اوپر سے اتار کر کی ہے۔'' اس کے ٹھٹھرنے پر اس نے دوبارا کمبل اس پر لا پھینکا تھا۔

''ساری باتیں چھوڑو یہ بتاؤ کہ آج کے ڈان نیوز پیپر میں جو نوفل یزدانی کے نام سے ''ملالہ یوسف زئی'' پر کالم آیا ہے، وہ بائی داوے آپ ہی کی کاوش نہیں ہے جس کا پرنٹ میں نے آپ کو اپنے آفس سے نکال کر دیا تھا.....؟؟'' ہانیہ کی بات پر وہ بُری طرح گڑبڑا گئی۔ جب کہ کمبل سے تھوڑا سا منہ نکالے لیٹی نے اس کی گھبراہٹ کو فوراً محسوس کیا تھا۔

''ہاں یار.....'' اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔'' اصل میں وہ پچھلے دنوں کچھ اپ سیٹ تھا اپنی جاب کے سلسلے میں اور اسے اپنی فائل میں لگانے کے لیے چند نیشنل لیول کے اخبارات میں شائع ہوئی چیزوں کی ضرورت تھی۔ میں نے اس ہاٹ ایشو پر کالم لکھ رکھا تھا، اُسے دے دیا کہ اپنے نام سے شائع کروالو، مجھے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ میرے نام سے چھپے یا اس کے نام سے......'' اس نے خوامخواہ ہی وضاحت دی تھی لیکن آگے بھی ہانیہ علوی تھی۔

''تمہیں فرق پڑے یا نہ پڑے، لیکن اس شخص کو پڑنا چاہیے کہ وہ آگے بڑھنے کے لیے کسی کی تخلیقات پر اپنا نام کیوں لکھوا رہا ہے۔تم اس کے لیے کوئی بیساکھی تھوڑی ہو'' اُس نے ٹھیک ٹھاک برا مانا تھا۔ جب کہ ڈریسنگ میز کے آگے بیٹھی ہاتھوں پر لوشن کا مساج کرتی حریم کے ہاتھ لمحے بھر کو فضا میں معلق ہوئے تھے۔

''کیسی فضول باتیں کرتی ہو نہی تم، وہ ماشاءاللہ خود اتنا ٹیلنٹڈ ہے اُسے کسی کی بیساکھی کی کیوں ضرورت پڑے گی۔میرے لیے تو وہ کالم بے کار ہی تھا، میں نے کون سا پبلش کروانا تھا'' حریم کو اس کی تنقید قطعاً پسند نہیں آئی تھی اس لیے اس نے بھی اپنی ناپسندیدگی چھپانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

''مرضی ہے تمہاری، میرا مقصد تو بس یہ تھا کہ اُسے ایسے سہاروں کی ابھی سے عادت مت ڈالو۔ ورنہ مستقبل میں تنگ ہو نگیں۔خیر تم بہتر سمجھتی ہو یہ بتاؤ کہ کب بجھوائے گا وہ اپنے گھر والوں کو۔'' ہانیہ نے بات ہی پلٹ دی تھی

''یار وہ تو کل ہی بجھوا دے، میں نے ہی اسے منع کر رکھا ہے......'' اس نے مساج کر کے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''وہ کیوں......؟؟؟'' ہانیہ نے اس کا اندیشوں میں ڈوبا ہوا چہرہ غور سے دیکھا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اُسے جنید والا قصہ کیسے سناؤں اور ماما سے کیسے بات کروں......؟؟؟'' وہ سچ مچ خاصی پریشان تھی۔

''اس میں کیا مسئلہ ہے تمہاری کون سا رخصتی ہوئی تھی۔سیدھا سادھا سا نکاح تھا بس۔وہ بھی جنید نے کون سا تم سے یا تم نے اس سے عہد و پیماں کر رکھے تھے۔باقی جہاں تک بات ماما سے کرنے کی ہے، وہ میں خود کر لوں گی۔'' اس نے ایک منٹ میں سارا مسئلہ حل کر دیا تھا۔

''تم کیسے بات کرو گی، اور کیسے بتاؤ گی کہ نوفل کو کیسے جانتی ہو، اصل میں......'' وہ کچھ تذبذب کا شکار ہوئی۔

''تم یہ چاہتی ہو ناں کہ آنٹی کو تم دونوں کی آپس کی کمیونیکیشن کا پتا نہ چلے تو ڈونٹ وری، ایسا ہی ہوگا۔'' ہانیہ نے بڑی سرعت سے اس کے ذہن کو پڑھا تھا۔حریم کو ایک دفعہ پھر احساس ہوا تھا کہ اچھے دوست اللہ کی بہت بڑی نعمت ہوتے ہیں۔وہ ڈریسنگ ٹیبل چھوڑ کر اس کے پاس بیڈ پر آ بیٹھی تھی۔''تم کیا کہو گی ان سے......؟؟؟''

''کم ان، حریم کیا بچوں جیسی باتیں کرتی ہو، میں بینک میں ایک ذمے دار پوسٹ پہ ہوں۔ہزاروں لوگوں سے ملنا جلنا رہتا ہے، ہماری کراچی والی برانچ کے کسی بھی کولیگ کا وہ دوست ہو سکتا ہے۔تعلق بنانے میں کون سا دیر لگتی ہے۔'' اس کی بات پہ اطمینان و سکون کے ہزاروں رنگ حریم کے چہرے پر پھیل گئے تھے۔وہ چیز جس کو لے کر وہ کافی دن سے پریشان تھی۔اُسے ہانیہ نے ایک منٹ میں حل کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

فضا میں جنگلی پھولوں کی مخصوص سی مہک تھی۔ شفاء انٹرنیشنل ہسپتال کے لان کی ساری گھاس پر اوس کے قطروں کی چادر سی بچھی ہوئی تھی۔ صبح سویرے پورے ہسپتال پر ایک محسوس کی جانے والی خاموشی کا راج ہوتا تھا۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے ماما کے ساتھ اس ہسپتال میں تھی۔ ان کو انجائنا کا اٹیک ہوا تھا۔ وہ اور حماد بھائی ان کو لے کر یہاں رات کے دو بجے پہنچے تھے۔ ماما کو فوری ٹریٹمنٹ دینے کی وجہ سے ان کی حالت سنبھل گئی تھی۔ وہ ذیابیطس کی بھی مریضہ تھیں اس لیے ڈاکٹرز نے ان کو کچھ دن ہسپتال میں ایڈمٹ رہنے کا ہی مشورہ دیا تھا۔ حماد بھائی دن میں ایک دفعہ جب کہ جواد بھائی ہر دو دن کے بعد کچھ منٹوں کے لیے آجاتے تھے۔ وہ رات تحریم کی زندگی کی ایک خوفناک رات تھی۔ ایک تو شام سے ہی بارش نے سردی کی شدت میں اضافہ کر رکھا تھا، کچھ اسے خود بھی فلو کے ساتھ ہلکا ہلکا بخار تھا۔

وہ اس رات نوفل سے فون پر بات کرنے میں مگن تھی جب ماما کی خصوصی ملازمہ جمیلہ نے حواس باختہ انداز سے اس کے کمرے کا دروازہ بجایا تھا۔ اس کا دل اچھل کا حلق میں آ گیا تھا۔ اس نے سیل فون بستر پر پھینک کر ماما کے کمرے کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ رات کے اس پل حماد بھائی کے بیڈروم کا دروازہ بجاتے ہوئے وہ باقاعدہ رو رہی تھی۔ جویریہ بھابھی کی تیوریاں اور مزاج کی برہمی کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ حماد بھائی کا بازو کھینچ کر انہیں اوپر والے پورشن میں لائی تھی۔ ماما کی حالت دیکھ کر حماد بھائی کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

زندگی میں پہلی دفعہ اُسے بارش سخت بُری لگی تھی۔ کوشش کے باوجود اس کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔ ہسپتال کی ایمرجنسی سے ماما کے ایڈمٹ ہونے تک وہ مسلسل روتی رہی تھی۔ اگلے دن ماما کی حالت سنبھلی تو اسے کچھ ہوش آیا۔ اس کے سیل فون پر نوفل کی ساری رات میں کوئی ڈھائی سو کالز آ چکی تھیں۔

”نوفل، میں خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں، ایسی ہی ایک رات ہم لوگ بابا کو اسی ہسپتال میں لائے تھے اور اس کے بعد وہ منوں مٹی میں جا سوئے۔“ وہ سخت خوفزدہ تھی۔ نوفل سے بات کرتے ہوئے بھی اس کے آنسو کسی طور نہیں تھم رہے تھے۔

”ٹینشن مت لو، میں ہوں ناں......“ اس نے بہت خلوص دل سے اُسے تسلی دی تھی۔

”تم تو بہت دور ہو......“ اس کے لہجے میں کچھ تھا جو وہ کچھ دیر کو خاموش ہو گیا۔ اس دن دونوں کی زیادہ دیر تک بات نہیں ہو سکی تھی۔ اگلی صبح وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو صبح صبح نوفل کی کال نے اُسے حیران کر دیا کیونکہ پچھلے پانچ ماہ سے وہ ہی اُسے صبح کو کال کرتی تھی۔

”تم ماما کے پاس ہو......؟؟؟“ دوسری جانب سے نوفل کے سوال نے اُسے جی بھر کر حیران کیا۔

”ہاں، کیوں کیا ہوا......؟؟“ وہ حیران ہوئی۔

”کیا تم ہسپتال کے لان میں آ سکتی ہو......؟؟؟“ صبح چھ بجے اس کی اس فرمائش پر وہ ہکا بکا رہ گئی۔

”خیریت ہے ناں......؟؟؟“

”ہاں یار روز تم مارننگ واک کرتے ہوئے مجھ سے بات کرتی تھیں تو اسلام آباد کے موسم کی ٹھنڈک تمہارے لفظوں کے ذریعے مجھ تک پہنچ جاتی تھی، لیکن کل بھی تم نے صبح بات نہیں کی، میرا سارا دن بہت بُرا گذرا، میں اپنا آج کا دن بھی برباد کرنا نہیں چاہتا۔“ وہ اس کی فرمائش پر ہلکا سا

مسکرائی۔لفٹ میں ریسپشن اور وہاں سے لان کا راستہ اس نے صرف تین منٹ میں طے کیا تھا۔سیکورٹی گارڈ نے سخت تعجب سے اسے ایک شال کے ساتھ باہر سرد موسم میں جاتے دیکھا تھا۔

لان میں کافی دھند تھی۔ہوا کے نم آلود جھونکے مستیوں میں مگن تھے۔اس پر ہلکی سی کپکپی طاری ہوئی۔باہر اس وقت اکا دکا سیکورٹی گارڈز ہی گھوم رہے تھے۔وہ لان کی طرف نکل آئی تھی۔

''ہاں اب بتاؤ،تمہیں اسلام آباد کی ٹھنڈک محسوس ہوئی کہ نہیں......؟؟؟'' وہ ہلکا سا مسکرائی تو دوسری جانب وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''اسلام آباد کی ٹھنڈک کا تو پتا نہیں لیکن تمہیں دیکھ کر اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا کہ یہ نازک اور کامنی سی لڑکی میرا نصیب بننے والی ہے......'' وہ اس کی بات پر تھوڑا سا الجھی۔اسے حقیقت میں یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس نے یہ بات کیوں کی۔وہ چلتے چلتے رکی۔اُسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔وہ بے اختیار پلٹی اور کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

سامنے ہی بلیو جینز پر گرے سویٹر میں ملبوس شخص نے اس کا بازو پکڑ کر گرنے سے بچایا۔اس شخص نے سویٹر پر بلیک جیکٹ اور سر اور کانوں کو سرخ مفلر سے ڈھانپ رکھا تھا۔اس کی شوخ آنکھوں میں شناسائی کی چمک تھی۔ایک لمحے کو وہ چکرا سی گئی۔

''اب بولو کیا مجھے کہو گی کہ میں بہت دور ہوں، دیکھو، ہاتھ لگا کر دیکھو، میں تمہارے کتنا قریب ہوں......'' وہ سینے پر بازو باندھے پوری توجہ اور فرصت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔اُس نے گردن اٹھا کر دھندلی آنکھوں سے اس کا پرشوق چہرہ دیکھا تھا۔حریم کو اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا تھا۔وہ ٹکر ٹکر سامنے مضبوطی سے جمے بندے کو دیکھ رہی تھی۔

''جناب بندہ غریب و مسکین کو نوفل یزدانی کہتے ہیں......'' اس نے گردن کو تھوڑا سا خم دے کر اپنا تعارف کروایا جب کہ وہ بھونچکا سی رہ گئی۔وہ ایک قدم اور آگے آ گیا تھا ایک پل کے لیے دونوں کی نظریں ملیں، حریم کی دھڑکنوں میں ارتعاش برپا تھا۔اس نے بڑی سرعت سے اپنی پلکیں جھکائیں۔اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ اور چہرے کی ہوائیاں اس کی شوخ نظروں سے پوشیدہ نہیں تھیں۔

''آپ کب آئے......؟؟؟'' اس نے اپنی گھبراہٹ چھپانے کی دانستہ سی کوشش کی جب کہ وہ اس کا بازو پکڑ کر سامنے لان میں نصب بینچ پر بیٹھا چکا تھا۔حریم کو اس کی نظروں کی تپش صاف محسوس ہو رہی تھی اور ہر گذرتا لمحہ حریم کی گھبراہٹ میں اضافہ کر رہا تھا۔وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ دل اتنے بے ہنگم انداز سے بھی دھڑک سکتا ہے۔نوفل نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا وہ بس شرارتی نظروں سے اُسے مذید پزل کر رہا تھا جو میرون رنگ کے سوٹ میں شال اچھی طرح لپیٹے اُسے اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔اس کے لمبے بال چوٹی میں گندھے ہوئے اس کی کمر کو چھو رہے تھے۔سیدھی مانگ نکالے، میک اپ سے مبرا اس کا صاف شفاف چہرہ دل کی گہرائیوں کو چھوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں......'' وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو مسلتی ہوئی پلکیں بار بار جھپکاتے ہوئے خاصی معصوم اور سادہ دل حال مزاج کی لڑکی لگ رہی تھی۔اس کی باتوں نے نوفل کو پہلے ہی اپنا گرویدہ کر رکھا تھا لیکن اسے روبرو دیکھ کر اسے اپنی قسمت پر رشک آ رہا تھا۔حالانکہ وہ اسے تصاویر میں دیکھ چکا تھا لیکن وہ اپنی تصویروں سے زیادہ حقیقت میں دلکش لگتی تھی۔اس کا اندازہ اسے ابھی ابھی ہوا تھا۔

''میں ایسے ویسے، ہر انداز سے تمہیں دیکھ سکتا ہوں۔ سمجھ میں آئی بات.....؟؟؟'' اس نے بڑے استحقاق بھرے انداز سے اس کے کندھے کو پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا تھا۔ وہ بُری طرح گڑبڑا گئی تھی۔ اُس نے املتاس کر درختوں پر ٹھہری دھند کو چھٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے سنگی بینچ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن اس کی پُرحدت نظروں کا ارتکاز وہ اپنے چہرے پر مسلسل محسوس کر رہی تھی۔

''کیا مجھے آج بھی یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں.....'' حریم کو اپنے کانوں کے پاس اس کی بھیگی ہوئی سرگوشی سنائی دی۔ اپنی بے ہنگم دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے حریم نے ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''تم پہلی دفعہ فون پر میرے سامنے اتنے دل دہلا دینے والے انداز میں روئیں اور مجھے ایسے لگا جیسے میرا دل پھٹ جائے گا۔ ایک دوست کی منتیں کر کے بائے ایئر ٹکٹ لیا۔ مجھے نہیں معلوم میں کیسے کراچی سے یہاں پہنچا، رات بارہ بجے جب جہاز نے یہاں لینڈ کیا تو میرا دل کر رہا تھا کہ میں فوراً ہسپتال آ جاؤں، لیکن ایئر پورٹ سے ہوٹل کی تلاش میں رات کے دو بج گئے۔ اس کے بعد میں بمشکل دو گھنٹوں کے لیے سو سکا ہوں۔ میرا دل کر رہا تھا کہ میں اڑ کر تمہارے سامنے آ جاؤں، دیکھو میں آ گیا.....'' وہ اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔ اتنی سخت سردی میں بھی حریم کو پسینہ سا آ گیا تھا۔

اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا، حالانکہ وہ اسے بے شمار تصاویر میں دیکھ چکی تھی۔ وہ مناسب قد کا حامل ستائیس اٹھائیس سال کا نوجوان تھا۔ گندمی رنگت، گھنی مونچھوں کے ساتھ اس کے چہرے پر سب سے نمایاں اس کی کھڑی ناک اور بولتی آنکھیں تھیں۔ نہ جانے وہ ہانیہ کو بالکل عام سا کیوں لگا تھا.....؟ اس نے بیٹھے بیٹھے اتنے ''خاص'' بندے کو پہلی دفعہ غور سے دیکھا۔ وہ اسے یوں دیکھتے ہوئے دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرایا تھا۔

''تھینکس گاڈ.....تم نے مجھے دیکھا تو سہی، ورنہ مجھے سخت قسم کا احساس کمتری ہونے لگا تھا کہ کہیں تم مجھے مسترد ہی نہ کر دو.....'' وہ بہت جذب بھرے انداز سے کہہ رہا تھا۔ حریم بلکشی سے مسکرائی تھی۔ ''پلیز آپ ایسے مت بیٹھیں، لوگ کیا کہیں گے.....'' اس نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے لجاجت بھرے لہجے میں اس سے درخواست کی تھی۔

''جناب ہم تو آپ کے قدموں میں بیٹھے تھے، لیکن اگر آپ کو پسند نہیں تو اٹھ جاتے ہیں.....'' وہ ہنستے ہوئے اٹھا اور سامنے سرخ گلابوں کے پودے کے پاس کھڑا ہو گیا۔

''یہ میری طرف سے تمہارے لیے، پلیز اپنی شال میں چھپا لو، سیکورٹی گارڈ نے دیکھ لیا تو میری محبت کی پہلی نشانی تم سے چھین لے گا'' اس کے شوخ انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنسی اور واقعی سردی میں کملایا ہوا پھول اس نے شال کے نیچے کر لیا تھا۔

''تھینکس ڈیئر.....میری دعا ہے کہ ایسے ہی ہنستی کھلکھلاتی اور مسکراتی رہو.....'' اس کی بزرگانہ انداز میں دی گئی دعا پر وہ ایک دفعہ پھر ہنس پڑی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اُسے مین کینٹین میں ناشتہ کروا رہی تھی۔ دونوں کے درمیان بے تکلفی کا رشتہ تو پہلے ہی سے قائم تھا اب تو اس میں مزید تیزی آ گئی تھی۔ وہ تین گھنٹے گزارنے کے بعد اپنے ہوٹل میں واپس چلا گیا تھا۔

ہفتے کی چھٹی ہونے کی وجہ سے ہانیہ بھی ڈھیروں پھلوں اور جوسز کے ساتھ وہاں آ گئی تھی۔ صالحہ بیگم کی طبیعت کافی بہتر تھی اور وہ ادویات

کی غنودگی کی وجہ سے سو رہی تھیں۔ وہ ہانیہ کا ہاتھ پکڑ کر اُسے مین لابی کی طرف لے آئی تھی۔

''خیر ہے ناں، آج چہرے پر بڑے آثار پھوٹ رہے ہیں......'' اس نے ایک لمحے میں اس کے مزاج کی خوشگواریت کو محسوس کیا تھا۔ وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر اپنے سیل پر آنے والی کال پر مصروف ہوگئی تھی۔ ہانیہ نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ شاید گھر سے نہا کر آئی تھی۔ رائل بلیو لمبی قمیض کے ساتھ اس نے چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا۔ لمبے بال ابھی شاید گیلے تھے۔ اس لیے پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔ ہانیہ کو اس کے سلکی بال بے پناہ پسند تھے۔ وہ آج خاصی نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔ ورنہ پچھلے دو دن تو اس نے بہت رف حلیے میں گزارے تھے۔ وہ کسی کو پارکنگ کی طرف آنے کا کہہ رہی تھی۔

''خیر ہے ناں، کیا کوئی آ رہا ہے آنٹی کی عیادت کو......'' ہانیہ کے سوال پر اس نے گردن کی جنبش سے تصدیق کی۔ ''کون ہے؟؟؟'' ہانیہ متجسس ہوئی

''آ جاؤ بتاتی ہوں......'' وہ بڑے عجلت بھرے انداز سے چل رہی تھی۔ اب موسم خاصا بہتر ہوگیا تھا۔ دھوپ کی وجہ سے سردی کا احساس فضا میں کم تھا۔ ہانیہ نے بلیک پینٹ پر کاسنی سی کلر کی شرٹ پہنے ایک شخص کو اپنی جانب آتے دیکھا تو وہ بری طرح چونکی۔ وہ چہرہ کچھ شناسا سا لگ رہا تھا۔

''ان سے ملو، یہ ہیں نوفل......اور نوفل یہ میری بیسٹ فرینڈ ہانیہ......'' حریم کے تعارف پر وہ ایک دم سپٹا کر رک گئی۔ ہانیہ نے سخت حیرت، تعجب اور بے یقینی سے پہلے حریم اور پھر اس شخص کو دیکھا جو کہ متبسم انداز کے ساتھ اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''ہوں......!!! اب سمجھ میں آئی کہ تم اتنی لائٹیں کیوں مارتی پھر رہی ہو......'' ہانیہ نے اس کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔

''اچھا تو آپ ہیں مسٹر نوفل یزدانی......'' ہانیہ نے بھی شرارتی سے انداز سے اُسے اوپر سے نیچے تک دیکھا تھا۔ اس کے ذومعنی انداز پر وہ وہ بڑے خاص انداز سے مسکرایا تھا۔

''اچھا تو آپ ہیں مس ہانیہ علوی، جن کو میری جانب سے بہت تحفظات لاحق ہیں......'' اس نے بھی دوبدو جواب دیا تھا۔ اس کی حاضر جوابی پر وہ کھلکھلا کر ہنسی اور اپنی طرف سے اس کی طبیعت صاف کرنے کی کوشش کی۔

''جی جناب ہم ہی ہیں ہانیہ علوی......'' اس نے بڑے انداز سے اپنی ہنس راج جیسی گردن اٹھا کر سامنے کھڑے بلا کے پر اعتماد بندے کو تیکھی نظروں سے دیکھا تھا۔ ''آپ اگر برا نہ منائیں تو آپ اپنی تصویروں سے زیادہ حقیقت میں خاصے معقول بندے دکھائی دے رہے ہیں......'' ہانیہ کی صاف گوئی پر نوفل کے حلق سے نکلنے والا قہقہہ خاصا جاندار تھا جب کہ حریم نے بوکھلا کر اُسے دیکھا تھا جو لاپرواہی سے اپنی انگلی میں گاڑی کی چابی گھما رہی تھی۔

''محترمہ یہ تعریف ہے یا میری تصاویر کی ناقدری......'' وہ بھرپور طریقے سے مسکرایا تھا۔

''یہ تو آپ زیادہ اچھے طریقے سے جانتے ہیں، ورنہ سچ پوچھیں، آپ کی بیل، بوٹوں، درختوں، پتھروں اور گملوں کے ساتھ کھنچوائے گئے فوٹو دیکھ کر کم از کم اس بندی کو تو بہت مایوسی ہوئی تھی۔'' ہانیہ نے انگلی کے ساتھ اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں کہا

تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر اپنا قہقہہ روک نہیں پایا تھا۔

''اور ان بی بی کو۔۔۔۔۔۔؟؟؟'' اس نے بڑی ترنگ سے آنکھ کے اشارے سے حریم سے پوچھا تھا جس کے لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں روشنیوں کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔

''یہ بچی ماشاءاللہ بڑی صابر شاکر اور قناعت پسند واقع ہوئی ہے۔۔۔۔'' ہانیہ کی بات نے اُسے جواب دینے سے بچا لیا تھا۔

''تھینکس گاڈ۔۔۔۔۔۔ ورنہ میں بیچارا تو مارا گیا تھا۔۔۔۔'' اس نے سر پر ہاتھ پھیر کر باقاعدہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔ اُس دن وہ تینوں کئی گھنٹوں تک اکٹھے ساتھ رہے تھے۔ ہانیہ نے ماما سے اس کا تعارف اپنے کولیگ کی حثیت سے کروایا تھا۔ وہ اس سے مل کر خاصی مطمعن تھی اور بار بار اس بات کا اظہار اسے سیل فون پر ٹیکسٹ کر کر کے کر رہی تھی۔ اس دن ہانیہ نے دونوں کو ''میریٹ'' میں لنچ بھی کروایا تھا۔ وہ دو دن اسلام آباد میں رکا تھا اور یہ دونوں دن حریم کی زندگی کے سب سے خوبصورت دن تھے۔ اُسے لگ رہا تھا کہ خوشی چاند کی کرنوں کی طرح اس پر برس رہی ہے۔

''کیسا لگا آپ کو ہمارا اسلام آباد۔۔۔۔۔؟؟؟'' اس دن ہانیہ نے ائیر پورٹ پر اس سے پوچھا تھا۔ وہ دونوں اُسے سی آف کرنے آئیں تھیں۔

''سچ پوچھیں تو کراچی کے پرہنگم شہر میں اٹھائیس سال گذارنے کے بعد یہاں کا سکون، خوبصورتی اور دلکشی کی وجہ سے دل کر رہا ہے کہ باقی عمر یہیں گذار دوں۔'' اُس نے سن گلاسز اتارتے ہوئے پوری ایمانداری سے کہا تھا۔

''تو آپ یہاں کیوں نہیں جاب کر لیتے، میری ایک کولیگ کے فادر ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر ہیں وہ کسی پبلک ریلیشن آفیسر کی پوسٹ کا ذکر کر رہی تھی، میں نے حریم سے کہا تھا، اس نے کہا کہ آپ شاید کراچی چھوڑنے پر راضی نہ ہوں۔'' ہانیہ کی بات پر وہ تھوڑا سا بے تاب ہوا۔

''ریئلی۔۔۔۔۔؟؟؟ آپ مجھے بتائیں میں اپلائی کرتا ہوں۔'' اُس نے عجلت میں کہا تو ہانیہ اسے تفصیل سے اس جاب کے متعلق بتانے لگی جسے سن کر وہ خاصا مطمعن نظر آ رہا تھا۔ بہت سارے سالوں کی بے روزگاری کے بعد اُسے کوئی ڈھنگ کی نوکری کا پتا چلا تھا تبھی وہ بار بار ہانیہ سے اپنے لیے بات کرنے کو کہہ رہا تھا اور ہانیہ نے اُسے بے فکر ہو جانے کا اشارہ دے دیا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے ناں کہ اس جاب کے لیے تمہیں کراچی چھوڑ کر اسلام آباد آنا ہوگا۔ اس لیے ایک دفعہ پھر سوچ لو ایسا نہ ہو کہ کل کو ہانیہ کو اپنی کولیگ کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے۔'' حریم نے اسے ائیر پورٹ پر رخصت کرتے ہوئے ایک دفعہ پھر یاد دہانی کروائی۔

''ہاں مجھے معلوم ہے۔ ویسے بھی مجھے کراچی میں تلخیوں، غربت اور مسائل کے علاوہ ملا ہی کیا ہے، اور میرے کون سا والدین زندہ ہیں۔ دو بھائی ہیں جن کا بس نہیں چلتا، ہاتھ سے پکڑ کر گھر سے نکال دیں۔'' وہ تھوڑا سا تلخ ہوا تو وہ کافی زیادہ مطمئن ہوگئی۔

''پھر تم بھی تو اسی شہر میں ہو۔ اچھا ہے ناں میں بھی یہیں شفٹ ہو جاؤں گا، ہم لوگ ماما کو بھی اپنے ساتھ رکھیں گے اور ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔'' اس نے ہلکا سا مسکرا کر اُسے دیکھا تھا۔ اس کی بات پر وہ بالکل ہی پرسکون ہوگئی تھی۔ ماما کو تو وہ بھی کسی صورت اکیلے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

اس کے بعد کے مراحل بھی بڑی تیزی کے ساتھ طے ہوئے تھے۔ اس کی جاب اگلے مہینے ہی شروع ہوگئی تھی۔ اس نے فی الحال جی الیون

سیکٹر میں ایک کمرے کا فلیٹ لے لیا تھا۔ وہ اسلام آباد آ کر کافی مطمئن تھا۔ وہ بار بار ہانیہ کا شکریہ ادا کرتا تھا جس کے توسط سے اسے اتنی شاندار نوکری ملی تھی۔ وہ حریم کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوش قسمتی گردانتا تھا۔ اس نے بہت زیادہ مسائل سے بھرپور زندگی گذاری تھی اس کا اندازہ حریم اور ہانیہ کو اکثر اس کی باتوں سے ہوتا تھا لیکن وہ اپنے مستقبل کے لیے خاصا پرامید تھا۔

☆ ☆ ☆

''تم نے اتنی بڑی بات، مجھ سے اتنا عرصہ چھپائے رکھی......'' اس کی حد درجہ بدگمانی، خفگی اور ناراضگی حریم کے ہاتھ پیر پھلائے جا رہی تھی۔ وہ دونوں اس وقت راول جھیل کے کنارے کھڑے تھے جب حریم نے اسے اپنے نکاح کی خبر سنائی، لیکن اس کا ردعمل اس قدر شدید ہوگا وہ یہ توقع ہرگز نہیں کر رہی تھی۔ اُسے اس بات سے جھٹکا لگا تھا وہ کئی لمحوں تک تعجب اور بے یقینی سے اس کی شکل دیکھتا رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں غصے کا ایک جہان آباد تھا۔

''نوفل وہ جسٹ نکاح تھا صرف نکاح، رخصتی تھوڑی ہوئی تھی......'' اُس نے اُس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اسے ٹھنڈا کرنے کی ایک ناکام کوشش کی تو اس نے ناراضگی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ ڈھیروں خفت اور شرمندگی نے حریم پر بھرپور حملہ کیا تھا۔ اُس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

''تو تم نکاح کو کیا معمولی سا کھیل سمجھتی ہو......؟؟؟'' وہ اپنی جھلاہٹ چھپانے کی شعوری طور پر بھی کوئی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ وہ ٹھٹھک کر اس کا اشتعال میں ڈوبا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ خفگی اور غصے کی زیادتی کے ساتھ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ اضطراری انداز سے جھیل کے کنارے لگی گرل پر ہلکے ہلکے مکے مار رہا تھا۔

''آئی ایم سوری نوفل، میں بتانا چاہتی تھی۔ لیکن......'' وہ بولتے بولتے جھجکی۔

''ہاں تو کیا ضرورت تھی، شادی کے بعد بتا دینا تھا...... یہ کون سا بڑی بات تھی......'' وہ پھاڑ کھانے کو دوڑا تھا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس قدر بگڑ کیوں رہا ہے۔

''دیکھو نوفل، وہ ایک لالچی اور خود غرض انسان تھا۔ اُسے آگے بڑھنے کے لیے سہارے کی ضرورت تھی جو اسے ہماری فیملی سے اسی صورت میں مل سکتا تھا۔ بابا نے پانچ سال اس کی تعلیم کا خرچ اٹھایا اور جب وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا تو مجھے ڈائیورس کے پیپر بھیج دیے۔'' اس نے ایک اور وضاحت دینے کی کوشش کی تھی۔

''وہ اگر لالچی بندہ تھا تو تمہارے نام پر تو ابھی بھی اسلام آباد میں کروڑوں کی جائیداد تھی۔ اس نے جان بوجھ کر اسے ٹھوکر کیوں ماری......؟؟؟'' نوفل کی بات پر حریم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''اس لیے کہ اس نے اب جس لڑکی سے شادی کی ہے اس کا امریکہ میں ایک چلتا ہوا اسٹور اور اپنا ذاتی گھر ہے۔ اس کے لیے اس چیز میں زیادہ کشش تھی اور کچھ وہ پاکستان میں واپس آنا بھی نہیں چاہتا تھا......'' اس کی آواز بھرا گئی تھی وہ ہراساں نظروں سے اس کے چہرے کے ناراض نقوش کو جانچ رہی تھی۔

''تمہیں اگر یہ بات بری لگی ہے تو وقت کی ڈور ابھی بھی تمہارے ہاتھ میں ہے میں تمہیں کسی بھی چیز کے لیے اصرار نہیں کروں گی.....'' اس نے خود پر بمشکل قابو پاتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تھی۔ وہ بہت عجلت کے ساتھ پارکنگ کی طرف چل پڑی تھی جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس کے حلق میں نمکین آنسوؤں کا ایک گولہ سا اٹک گیا تھا۔ وہ دھواں دھواں چہرے کے ساتھ اردگرد کے لوگوں کی حیرانگی سے بے نیاز تقریباً دوڑتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف جا رہی تھی۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ لوگوں کی پرواہ کیے بغیر فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بلند آواز میں ہچکیاں لے لے کر روئے۔ وہ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے بمشکل گاڑی تک پہنچی تھی۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر وہ اندر بیٹھتے ہی اسٹیرنگ پر سر رکھ کر دھواں دھار رونے لگی تھی۔ اگلے پندرہ منٹ تک وہ روتی رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اُس کے پیچھے ضرور آئے گا لیکن اس کا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔

وہ بمشکل گھر تک پہنچی تھی اُس نے گاڑی بھی گھر کے باہر ہی پارک کر دی تھی۔ اپنے گھر جانے کی بجائے ہانیہ کے طرف آ گئی تھی۔ اس کے حد درجہ رنجیدہ انداز اور سرخ آنکھوں کو دیکھ کر وہ اُسے اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔

''کوئی بات نہیں وہ تھوڑا سا ہرٹ ہوا ہے، اسے سنبھلنے کے لیے کچھ وقت دو، بے فکر رہو وہ تمہاری طرف ہی آئے گا.....'' ہانیہ نے ساری بات سن کر اُس کے کندھے کو سہلاتے ہوئے دلاسا دیا۔

''اگر وہ نہ آیا تو.....؟؟؟'' حریم کی آنکھوں میں مچلتے اس سوال سے اس نے صاف صاف آنکھیں چرائی تھیں۔ ''بے وقوفی والی باتیں مت کرو، اگر اسے تم سے محبت ہوئی تو وہ کہیں نہیں جائے گا۔ اب اتنا ناراض ہونے کا تو اس کا حق بنتا ہے ناں.....'' ہانیہ نے اس کی طرف داری کی تھی۔

''میں نے پارکنگ میں پورا آدھا گھنٹہ اس کا انتظار کیا کہ شاید وہ میرے پیچھے آ جائے، لمحہ لمحہ اذیت میں گذارا، سیل فون کو ہاتھ میں پکڑ کر بیٹھی رہی کہ شاید اس کی کال ہی آ جائے۔ گاڑی ڈرائیو کرتے کرتے کئی دفعہ ان بکس چیک کیا کہ شاید اس کا کوئی ٹیکسٹ ہی آ جائے لیکن.....'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ ہانیہ کا دل دکھ کے گہرے احساس کے ساتھ بھر گیا تھا۔ اس کی شکوہ کناں نظروں کا سامنا کرنا اُسے اس وقت دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔ اُس نے بہلا پھسلا کر اسے گھر جانے پر راضی کیا تھا۔ وہ حد درجہ پریشان اور مضطرب تھی۔

''وہ ساری رات اس نے ایک اذیت میں گذاری تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ دل ایک ضدی بچے کی طرح ایک ہی چیز کے لیے مچل گیا ہو، کوئی بھی دلاسا، کوئی بھی ترغیب اس کو بہلانے سے قاصر تھی۔ ساری رات تکیہ اس کے آنسوؤں سے بھگتا رہا تھا۔ سوتے ہوئے بھی اس کا دماغ جاگ رہا تھا۔ کسی بھی میسج کی ہلکی سی بپ پر دل خوش فہم دھڑک اٹھتا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح ٹیکسٹ کھولتی لیکن اُس کے امیدوں کے غبارے سے فوراً ہوا نکل جاتی۔ اس کی آنکھیں مقناطیس کی طرح وال کلاک کے ساتھ چپکی ہوئی تھیں۔ لگتا تھا کہ ظالم وقت ٹھہر سا گیا ہے، لیکن رات کوئی بھی ہو اس کو گذرنا تو ہوتا ہی ہے۔ وہ آسیب زدہ رات بھی گذر ہی گئی تھی۔''

اگلی صبح سات بجے اس کی کال آئی تو وہ نیند میں تھی، لیکن اس کی آواز سن کر ساری نیند بھک کر کے اڑ گئی تھی۔

''کیسی ہو.....؟؟؟'' اس کا لہجہ کچھ بجھا بجھا سا تھا لیکن حریم کو اپنے اندر توانائی کا ایک سمندر سا بہتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس کی آواز میں کچھ تھا جو اس کے سارے جسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو......؟؟؟" اس نے صبح اٹھتے ہی پہلا جھوٹ بولا تھا۔ وہ بالکل بھی ٹھیک نہیں تھی۔ بیڈ پر بیٹھے بیٹھے اس کی نظر سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر پڑی۔ سرخ متورم آنکھیں، زرد چہرہ، بکھرے ہوئے بال وہ کسی ویران اور اجڑی ہوئی عمارت کی طرح لگ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری یار، میں کل کچھ اوور ری ایکٹ کر گیا......" اس کا شرمندہ لہجہ کل کی ساری تھکن اور اذیت ایک لمحے میں سمیٹ کر لے گیا تھا۔ خوشی کے گہرے احساس کے زیر تحت اس کی آنکھیں پھر بھر آئیں تھیں۔

"یقین کرو میں ساری رات نہیں سو سکا۔ بس مجھے شاک لگا تھا اس بات پر، کاش تم مجھے شروع میں ہی بتا دیتیں لیکن پھر میں نے بہت سوچا، وہ تمہارا ماضی تھا، میں تمہارا حال ہوں......" وہ اپنے مخصوص پرانے انداز کے ساتھ پھر سے محو گفتگو تھا۔ حریم کو ایسے لگ رہا تھا جیسے اسے ایک نئی زندگی ملی ہو۔ اسے اپنی رگوں میں زندگی کی حرارت سے بھرپور خون کی روانی محسوس ہوئی تھی۔ شام میں ہانیہ آئی تو وہ بالکل ٹھیک ٹھاک اور فریش تھی۔

"تو تم خوامخواہ کل پریشان ہوتی رہیں، میں نے کہا نہیں تھا کہ وہ لوٹ کر تمہاری طرف ہی آئے گا......" ہانیہ اپنے اندازے کی درستگی پر مسکرا رہی تھی۔

"بس یار یہ محبت انسان کو بہت وہمی بنا دیتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے یا کہیں ویسا نہ ہو جائے......" حریم نے اپنی پالتو بلی کی پیٹھ سہلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔ نونی نے ہانیہ کی طرف دیکھ کر برا سا منہ بنایا تھا۔ وہ دونوں اس وقت ٹیرس میں رکھے جھولے پر براجمان تھیں۔

"بہت کمینی ہے یہ تمہاری نونی، کیسے میری طرف دیکھ کر غراتی ہے......" ہانیہ کو بلی کی اس حرکت پر بے اختیار غصہ ہی تو آ گیا تھا۔ جب کہ حریم اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ اس کے لہجے میں موجود کھنک کو محسوس کر کے ہانیہ نے سکون کا سانس لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ہانیہ کا بینک کی طرف سے کوئی ٹریننگ کورس تھا جس کے سلسلے میں وہ ایک مہینہ کراچی رہ کر واپس آئی تو حریم کی شادی کا کارڈ دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئی۔ کراچی میں اس کا دن دیہاڑے سیل فون کسی نے مارکیٹ میں ہتھیا لیا تھا جس کی وجہ سے اسے فوری طور پر نئی سم لینی پڑی تھی اس لیے سب سے رابطہ کٹ کر رہ گیا تھا۔ کچھ وہ اپنے کورس میں اس قدر مگن تھی خود سے بھی رابطہ نہ کر سکی۔ لیکن گھر پہنچتے ہی ممی کی اس اطلاع پر وہ پُر جوش ہو گی۔ کھانا درمیان میں ہی چھوڑ کر وہ اپنے ٹیرس سے اس کے ٹیرس سے چھلانگ کر آندھی اور طوفان کی طرح حریم کے سر پر پہنچی تھی۔ وہ جو ماما کے لیے دلیہ بنانے میں مگن تھی۔ اُسے دیکھ کر چونک گئی۔

''بہت بہت مبارک ہو یار، جیسے ہی ماما نے مجھے بتایا یقین کرو، لنچ ادھورا چھوڑ کر ہی آ گئی.....'' وہ اب دیگچیوں کے ڈھکن اٹھا اٹھا کر بے تکلفی سے جائزہ لے رہی تھی۔

''واہ..... یہاں تو لگتا ہے کہ کسی بڑی دعوت شیراز کا اہتمام کیا گیا تھا، جس کی باقیات ابھی بھی باقی ہیں.....'' وہ اب مزے سے پلیٹ میں قیمہ مٹر نکال کر کچن میں رکھے چھوٹے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ ہانیہ نے ہاٹ پاٹ بھی اس کے سامنے لا رکھ دیا تھا۔

''شاباش اب شروع ہو جاؤ کہ کس طرح سے نوفل کے گھر والے رشتہ لے کر آئے اور تمہاری بھابیوں کا کیا ری ایکشن تھا؟ اور کتنے محاذوں پر لڑنا پڑا.....'' وہ منہ میں نوالہ ڈالے ہوئے تیزی سے بول رہی تھی۔

دلیے کی دیگچی میں چمچ گھماتا ہوا حریم کا ہاتھ کچھ لمحوں کے لیے ساکت ہوا اور لیکن اس نے بہت تیزی سے خود پر قابو پایا تھا۔ ''کچھ بھی نہیں، رشتہ آیا اور منظور ہو گیا.....''

''کیا مطلب، کوئی کا کے دا کھڑاک نہیں ہوا؟ بھائیوں نے یا ماما نے پوچھا نہیں کہ تم اسے کیسے جانتی ہو.....'' ہانیہ کو اس کے جواب سے تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے اچار والا ڈبہ کھولتے ہوئے تجسس سے پوچھا۔

''جب سب ہی اُسے جانتے تھے تو مجھ سے کسی نے کیا پوچھنا تھا.....'' حریم کے سپاٹ انداز پر وہ تھوڑا سا ٹھٹکی..... ''اوئے یہ کیا تماشا ہے؟ نوفل کو سب کیسے جانتے تھے؟ یہ کون سا اسٹار پلس کا ڈرامہ مجھے سنا رہی ہو.....؟؟؟'' ہانیہ نے بےزاری سے نوالا توڑ کر منہ میں ڈالا تھا۔

''تو میں کب نوفل کی بات کر رہی ہوں.....'' حریم کی بات پر وہ نوالہ نگلنا بھول کر سخت تعجب سے دیکھنے لگی۔ جس کے چہرے پر سنجیدگی کی گہری تہہ کسی انہونی کا پتا دے رہی تھی۔

''میری شادی نوفل کے ساتھ تو نہیں ہو رہی.....'' اس نے دھماکہ ہی تو کیا تھا۔ ہانیہ کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا بے دھیانی میں میز پر گر گیا تھا پورے کچن میں ایک غیر معمولی اور بوجھل سی خاموشی پھیل گئی تھی۔ ہانیہ کئی لمحوں تک کچھ بول ہی نہیں سکی تھی۔ اس خاموشی کو کچن میں بے تکلفی سے داخل ہوئے نوجوان نے توڑا تھا جس کے ہاتھ میں اورنج جوس کا خالی گلاس تھا۔ ہانیہ بغور اسے دیکھنے لگی۔ سرمئی پینٹ پر میرون شرٹ اس پر خوب جچ رہی تھی۔ چھ فٹ سے نکلتا قد، گھنے بال اور چہرے پر تازہ شیو کا تاثر تھا۔ وہ خاصی متاثر کن پرسنالٹی کا حامل انسان تھا۔

''اُف کچن میں دو خواتین، اور وہ بھی خاموش، یہ ہے تو اکیسویں صدی کا سب سے بڑا سچ ہے لیکن کوئی یقین نہیں کرے گا'' اس نے

متبسم انداز سے فریج سے جوس کا جگ نکال کر گلاس میں انڈیلا تھا۔ وہ اب ڈائننگ میز کی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

''آپ غالباً نہیں، یقیناً آنسہ ہانیہ علوی ہیں، جن کے تذکرہ میں پچھلے ایک ہفتے سے چچی کے منہ سے بلاناغہ سن رہا ہوں......'' اس نے خوشگواریت سے کہتے ہوئے جوس کا گلاس لبوں سے لگایا تھا۔ جب کہ ہانیہ نے اپنے اندر برپا اتھل پتھل پر بمشکل قابو پایا تھا۔

''آپ کی تعریف......؟؟؟'' اس نے بہت سرعت سے خود کو سنبھالتے ہوئے اپنے سامنے کھڑے بندے کو دل ہی دل میں ہینڈسم کا خطاب دیا تھا۔

''مجھے صارم یوسف کہتے ہیں۔ میں حریم کا تایازاد کزن ہوں۔ کینیڈا میں پیدا ہوا اور وہیں ساری زندگی گزاری۔ پروفیشن کے لحاظ سے سوفٹ ویئر انجینئیر ہوں۔'' وہ متاثر ہوئی تھی یا نہیں لیکن اس کے تعارف پر سر ہلاتے ہوئے انکھیوں سے حریم کی طرف دیکھا جو اس کی طرف بیٹھے کیے بیچی میں مسلسل چمچ ہلا رہی تھی۔ نہ جانے کیوں ہانیہ کو لگا تھا کہ وہ اپنی آنکھوں کی نمی کو چھپا رہی ہے۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔

''آپ راتوں رات کہاں سے اگ آئے یہاں......؟؟؟؟'' ہانیہ نے ایک بھرپور مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی تھی۔ وہ اس کی بات پر ہنسا تھا۔

''راتوں رات زمین سے تو نہیں اگا، ہاں جہاز سے ضرور ٹپکا ہوں۔ چچی کی پاپا سے فون پر بات ہوئی اور پتا چلا کہ وہ ایڈمٹ ہیں تو پاپا نے فوراً پاکستان کا پروگرام بنالیا، میں ان دنوں فارغ تھا، دماغ سے نہیں جاب سے......'' وہ بات کرتے کرتے رکا تو اس کے دلچسپ انداز پر ہانیہ ہنس پڑی۔ ''چونکہ آج کل چھٹیاں تھیں بس پاپا نے مجھے کان سے پکڑا اور پاکستان لے آئے......'' اس کی باتوں سے ہانیہ نے اندازہ لگالیا تھا کہ حریم کی شادی اسی سے طے ہوئی ہے۔

''کہیں کان سے پکڑ کر ہی زبردستی دلہا تو نہیں بنا رہے تایا جی......؟؟؟'' اس نے جتنی بے ساختگی سے کہا تھا اتنی ہی بے ساختگی سے صارم کا جاندار قہقہہ فضا میں بلند ہوا تھا۔ اس کے لبوں پر موجود مسکراہٹ میں ایک دم شرارت کا اضافہ ہوا تھا۔

''خیر زبردستی ادھر تو نہیں، دوسری پارٹی کی جانب ضرور ہوسکتی ہے......'' اس نے واضح طور پر حریم کے سنجیدہ انداز کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ ان دونوں کی طرف پشت کیے دلیہ بنانے میں مگن ہونے کی اداکاری بڑی کامیابی سے کر رہی تھی۔

''خاتون خاصی سخت مزاج اور سرکاری سکولوں والی سخت گیر استانی لگتی ہیں......'' وہ تھوڑا سا ہانیہ کی طرف جھک کر شرارت بھرے انداز سے بولا تھا۔ اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی اپنائیت تھی جو سامنے والے کو خاصی تقویت دیتی تھی۔ اگر نوفل درمیان میں نہ ہوتا تو یہ ایک پرفیکٹ کپل تھا۔ ہانیہ کو اس کی شخصیت، انداز اور کوالیفکیشن نے سخت متاثر کیا تھا۔

''ابھی بھی وقت ہے سوچ لیں، محترمہ نہ صرف سخت مزاج بلکہ قریب جانے پر اچھا خاصا کرنٹ بھی مارتی ہیں۔'' وہ بھی جوابی کاروائی کرتے ہوئے صالحہ آنٹی کے بیڈروم کی طرف بڑھی۔ دماغ میں مختلف سوالات اودھم مچا رہے تھے۔ اس سے زیادہ صبر کرنا اس کی برداشت سے باہر تھا۔

''شکر ہے بیٹا کہ تم آگئیں، ورنہ اپنی بہوؤں سے تو مجھے کوئی توقع ہی نہیں۔ اب کم از کم اس لڑکی کی شاپنگ میں ہیلپ تو کروا دو

گی......'' اُسے دیکھتے ہی صالحہ بیگم نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ کاسنی رنگ کے سوٹ میں وہ خاصی تر و تازہ اور فریش دکھائی دے رہی تھیں۔ اسحاق نانا کے اٹیک کے بعد پہلی دفعہ ہانیہ نے انہیں اتنے اچھے موڈ میں دیکھا تھا۔

''آنٹی یہ سب کیسے، اتنی اچانک ہوگیا......؟؟؟'' وہ لپک کر ان کے پاس آن بیٹھی تھی۔ اس کی بات پر وہ متانت سے مسکرائیں۔

''بس بیٹا، یہ میرے مولا کا کرم ہے میں اپنی بچی کی طرف سے سخت پریشان تھی۔ دن رات دعائیں کرتی تھی کہ ایک دن یوسف بھائی کی اچانک کینیڈا سے کال آگئی، میری بیماری کا سنا تھا تو فوراً چار دن بعد پاکستان میں تھے۔ یہاں آکر حریم کے بھائیوں کے مزاج اور حالات دیکھ کر سخت دل گرفتہ ہوئے۔ سب کو کھری کھری سنائیں اور ساتھ میں ہی اپنے اتنے لائق فائق بیٹے کے لیے حریم کا ہاتھ مانگ لیا، میں تو مانو خوشی کے مارے ایک لفظ بھی نہ بول سکی......'' صالحہ بیگم کی آنکھیں آنسوؤں سے جھلملا اٹھی تھیں۔ وہ ان کے احساسات کا اندازہ کرسکتی تھی۔

''یقین کرو، پورے خاندان کو سکتہ ہوگیا کہ اس بچی کے نصیب کیسے کھل گئے۔ بھائی جان کے صرف دو ہی تو بیٹے تھے۔ بڑے نے کنیڈین لڑکی سے شادی کی ہوئی ہے جب کہ دوسرے کے لیے ان کی خواہش تھی کہ پاکستان میں ہو۔ بھابھی جان کا انتقال ہو چکا ہے۔ بس اب ایک یہی بچہ اور بھائی جان ہی ہیں۔'' وہ مسلسل مسکراتے ہوئے بتا رہی تھیں۔

''آپ نے حریم کی مرضی پوچھی......؟؟؟'' ہانیہ نے اٹکتے ہوئے سوال کیا تھا۔ اس کے دل میں ایک طوفان برپا تھا۔

''ہاں ہاں بیٹا، ایک دفعہ نہیں، تین دفعہ پوچھی ہے، سچ مانو میں اس دفعہ بہت ڈری ہوئی تھی کہ کوئی غلط فیصلہ نہ کرلوں، نہ صرف میں نے بلکہ اس کے تایا نے بھی اسے صاف صاف الفاظ میں پوچھا تھا کہ بیٹا اگر آپ کی کہیں اور مرضی ہے تو ہمیں تب بھی کوئی اعتراض نہیں، لیکن میں تمہاری شادی کرکے ہی پاکستان سے جاؤں گا۔ لیکن حریم نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو آپ کی اور ماما کی مرضی......'' صالحہ بیگم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔

''تو آنٹی حریم کے جانے کے بعد آپ کی دیکھ بھال کون کرے گا......؟؟؟''

''اے بیٹا، بھائی جان میری بھی ٹکٹ ساتھ ہی کنوا رہے ہیں۔ فواد بھی تو کنیڈا شفٹ ہوگیا ہے۔ اس کی اپنی بیگم کے ساتھ بنی نہیں۔ مجھے تو یوسف بھائی نے بتایا کہ وہ دونوں دوبئی میں پچھلے تین ماہ سے علیحدہ رہ رہے ہیں۔ حرا نے اپنے ماں باپ کو بتا رکھا تھا لیکن مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔'' صالحہ بیگم کی بات پر وہ زبردست انداز سے چونکی۔ اُسے سخت دھچکا لگا تھا۔ فواد کی شادی کے بعد دونوں نے ہی ایک دوسرے سے کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا۔ فواد اپنی اس زبردستی کی شادی سے خوش نہیں تھا اس لیے احتجاجاً اپنی بیگم حرا کو لے کر فوراً دوبئی چلا گیا تھا۔ حرا تحریم کی خالہ زاد اور جویریہ کی دوسرے نمبر والی بہن تھی۔ دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں بیاہ کر آئیں تھیں۔ شادی کے ساڑھے تین سال میں اللہ نے جویریہ کو وہ جب کہ حرا اور فواد کو اولاد کی نعمت سے محروم رکھا تھا۔

''کیا جویریہ بھابھی کو بھی نہیں پتا تھا......؟؟؟'' اسے سخت تعجب ہوا تھا۔

''اے بیٹا سب پتا تھا۔ تبھی تو میری بھانجی، مزاجوں سے مجھ سے زیادہ کون واقف ہوگا، سنا ہے کہ کسی شیخ کے چکروں میں ہے۔ اللہ معاف کرے اور ہدایت دے۔'' اس سے زیادہ سننا ہانیہ کے بس میں نہیں تھا۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ گھر آئی۔ کچھ بھی تھا اس کا اور فواد کا ماضی میں بہت اچھا تعلق رہا تھا جو آنٹی کی ضد کی وجہ سے ختم ہوگیا تھا۔ پرانی سم اس نے صبح ہی نکلوائی تھی۔ جیسے ہی سیل فون میں ڈالی سب سے پہلی کال نوفل کی

تھی۔ وہ بہت زیادہ گھبرایا ہوا تھا۔

''ہانیہ میں آپ سے ابھی اور اس وقت ملنا چاہتا ہوں، آپ سوچ بھی نہیں سکتیں، میں کتنا پریشان ہوں۔ پچھلے پچیس روز سے پاگلوں کی طرح آپ کو کالز کر رہا ہوں لیکن آپ کا نمبر بند جا رہا تھا۔'' وہ اس کی آواز سے معاملے کی سنگینی کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ اس نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی شام کے چار بج رہے تھے۔

''ٹھیک ہے آپ آدھے گھنٹے تک فاطمہ جناح پارک کے گیٹ نمبر ون پر آجائیں، میں وہیں آجاتی ہوں۔'' اس نے تیزی سے پروگرام ترتیب دیا۔ وہ خود بھی الجھ کر رہ گئی تھی۔ حریم کی سنجیدگی اور نوفل کے لہجے کی سنگینی اسے معاملے کے پیچیدہ ہونے کی طرف اشارہ دے رہی تھیں۔

''پتا نہیں حریم کو کیا ہو گیا ہے، میری ایک کزن کے اوٹ پٹانگ فون کی وجہ سے وہ مجھ سے سخت بدگمان ہے، نہ فون پر بات کر رہی ہے اور نہ ہی کسی ٹیکسٹ کو جواب دے رہی ہے۔'' وہ ملگجی سی شرٹ اور بغیر استری کی ہوئی پینٹ کے ساتھ سوفٹی چپل پہنے ہوئے تھا۔ اس کی شیو بھی کافی بڑھی ہوئی تھی۔ اس کا حلیہ اس کی ذہنی حالت کی عکاسی کر رہا تھا۔ وہ اس کی بات پر بری طرح چونکی۔

''آپ کی کزن کے پاس حریم کا نمبر کہاں سے آیا......؟؟؟'' وہ اس کی بات پر ڈھیروں خفت کا شکار ہوا۔

میں پچیس دن پہلے دو دن کے لیے گھر گیا تھا بھابھی کی بہن آئی ہوئی تھی میں واش روم میں تھا اس نے کہیں میرے سیل فون کی تلاشی لی اور میرے حریم کو کیے جانے والے میسجز سے صورت حال کا اندازہ لگا کر حریم کو کال کر دی.....'' اس نے مختصراً بتایا۔ وہ سخت پریشان تھا۔ ہانیہ بھی اس کی بات سے بُری طرح الجھ گئی تھی۔

''اس نے حریم سے کہا کہ میری اس کے ساتھ منگنی ہوئی، ہوئی تھی۔ جو میں نے توڑ دی اور یہ کہ میرے بہت سے افیئر ز تھے اور پتا نہیں کون کون سا زہر اگلتی رہی ہے۔'' وہ سخت ہراساں تھا۔

''لیکن اس نے ایسا کیوں کیا.....؟؟؟'' ہانیہ نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا جس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا۔

''اصل میں میری بھابھی اور اسکی خواہش تھی کہ میری شادی، ہاں ہو، لیکن میرے انکار پر انہوں نے اسے انا کا مسئلہ بنا دیا۔ اس وجہ سے وہ آئے دن میرے لیے مسئلہ کھڑے کرتی نظر آتی ہیں۔'' نوفل کی بات پر اس کے دماغ کی الجھی گتھی تھوڑی سی سلجھ گئی تھی۔

''آپ نے حریم کو اصل بات بتا دینی تھی.....'' اُس نے خلوص دل سے اُسے مشورہ دیتے ہوئے فضا میں موجود سناٹے کو محسوس کیا۔ اچانک ہی خنکی کی چادر تن گئی تھی۔

''وہ مجھ سے بات کرے تب ناں، وہ مجھ سے حد درجہ بدگمان اور شاکی ہے۔ کسی صورت بات کرنے پر راضی نہیں ہوتی۔ آپ سوچ نہیں سکتیں کہ اس صورتحال میں ایسا لگتا ہے کہ میرا دماغ پھٹ جائے گا.....'' وہ حد درجہ مضطرب، غمزدہ اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اُسے ابھی شاید حریم کی شادی کا بھی علم نہیں تھا اور ہانیہ میں بھی اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ یہ اطلاع اسے دیتی۔ اُسے خود بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ایسا کیا ہو گیا تھا جس نے ہانیہ جیسی لڑکی کو اتنا تبدیل کر دیا تھا اور وہ انا فاناً کسی اور سے شادی کے لیے بھی تیار ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

''وہ نہ صرف ایک جھوٹا بلکہ اعلیٰ درجے کا ڈرامے باز انسان ہے۔ وہ ایک نمبر کا خود غرض، مفاد پسند اور خطرناک بندہ ہے.....'' وہ ایک دفعہ پھر حریم کے سامنے تھی۔ جس کے زہر آلود لہجے نے اُسے ہکا بکا کر دیا تھا۔ وہ آج اس کے ذکر سے بھی بے زار تھی۔

دونوں اپنے مخصوص ٹھکانے یعنی ٹیرس پر موجود تھیں۔ رات کے اس پہر سامنے پہاڑیوں پر چھوٹی چھوٹی دکھائی دینے والی روشنیوں پر دیوں کا گمان ہوتا تھا۔ وہ دونوں سردی کے باوجود شال لپیٹے چائے کے مگ اٹھائے ایک دوسرے کے سامنے تھیں۔ ٹیرس پر حریم کے بالکل اوپر دیوار پر لگی ٹیوب لائیٹ کی روشنی میں وہ اس کے چہرے پر موجود زردی، دکھ، پیشمانی، اور ناقدری کے سارے رنگ دیکھ سکتی تھی۔

''آخر ہوا کیا ہے؟ اس کی کزن کی بات کا بھی تو اعتبار نہیں کیا جا سکتا ناں.....؟؟؟'' ہانیہ نے معاملے کو سلجھانے کی پہلی کوشش کی۔

''مجھے اب اس کے علاوہ دنیا کے ہر ایکس، وائے، زیڈ بندے پر اعتبار ہے.....'' وہ سخت بدگمان تھی۔

''یہ اس کی بھابھی کی بہن کی کوئی سازش بھی تو ہو سکتی ہے، اور اس نے خود بھی اس کے سیل کے میسجز پڑھ کر انتہائی غیر اخلاقی حرکت کی تھی۔ ایسی خاتون کی باتوں کا کیا اعتبار کرنا.....'' ہانیہ نے آسمان پر موجود تنہا اداس چاند کو دیکھا وہ اسے بالکل حریم جیسا لگا تھا۔

''پھر تم نے پچھلے ماہ اس کے ساتھ بات چیت کی ہے، کئی دفعہ مل چکی ہو۔ بندے کو دوسرے کی فطرت کا اندازہ ہو ہی جاتا ہے۔ جہاں تک بات اس کی کزن کی ہے تو خاندانی رنجشوں کی بنا پر لوگ پتا نہیں کیا کیا دوسروں پر تہمتیں لگاتے ہیں تم نے نہ صرف ان پر اعتبار کیا بلکہ اتنی جلدی اپنی شادی کے فیصلے پر بھی مہر لگا دی۔ وہ بیچارا سخت پریشان ہے۔ ہانیہ کی طرف داری پر ایک زہر آلودی مسکراہٹ حریم کے لبوں پر آ کر ٹھہر گئی تھی۔

''کاش یہ تہمت ہی ہوتی، تمہیں معلوم ہے کہ اس کی اپنی بھابھی کی بہن کے ساتھ منگنی کا باقاعدہ فنکشن ہوا تھا اور اس کی تصاویر اور ویڈیو بھی بنی، جب میں نے پوچھا تو وہ سرے سے ہی اس بات سے انکاری ہو گیا۔ وہ مان جاتا، کم از کم مجھ سے جھوٹ تو نہ بولتا۔ اس کی کزن نے مجھے اس فنکشن کی ویڈیو ٹی سی ایس کی۔ میں بالکل بھی نہیں مان رہی تھی، لیکن پھر آنکھوں دیکھی حقیقت کو کیسے جھٹلاتی.....'' اس کی آنکھوں میں اُداسی جھر جھر بہنے لگی تھی۔

''لیکن حریم منگنی ہو جانا تو کوئی بڑی بات تو نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی مصلحت کے تحت اُسے چھپانا چاہتا ہو۔ پھر تمہارا بھی تو نکاح ہو چکا تھا اور تم نے اتنی دیر سے اسے بتایا تھا۔'' ہانیہ کی بات پر وہ جھنجھلا اٹھی تھی۔

''تمہیں اصل بات کا پتا نہیں ہے یار، منگنی ہو جانا حتیٰ کہ اگر اس کی شادی بھی ہو جاتی تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑنا تھا، لیکن وہ مجھے خود بتاتا، مجھ سے چھپاتا ناں۔ اس نے محض اپنے گھر میں بھابھی کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے تین سال تک منگنی کا ڈرامہ کیے رکھا، خوب پروٹوکول لیا۔ اس لیے کہ اسے معلوم تھا کہ اس کی بھابھی کی پانچ بہنیں ہیں اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ان کی مجبوری ہے.....'' وہ اپنی آواز کے ارتعاش پر بمشکل قابو پا رہی تھی۔

''چلو مان لیتے ہیں یہ بھی کوئی بڑی بات نہیں، اس کی کوئی مجبوری ہو گی.....'' وہ تھوڑا سا تلخ ہوئی ''اسکے بعد جب یہ یونیورسٹی گیا تو اس نے وہاں جا کر ایک نئی دنیا دیکھی تو اس کے ذہن میں کسی امیر کبیر باپ کی اکلوتی بیٹی کو محبت کے جال میں پھنسا کر شادی کرنے کا بھوت سوار

ہوا۔ سارہ خاکوانی نامی لڑکی سے اس نے دوستی کی۔ اس کو اپنے جال میں پھنسایا اور اس کے ساتھ اپنی بے شمار تصاویر بنوائیں۔ جب اس کے صنعت کار باپ نے ایک کنگال نوجوان کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو اس کی تصاویر کو جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے انتہائی بے ہودا شکل دی اور ان کو مختلف ویب سائیٹ پر اپ لوڈ کر دیا۔ اس کے باپ نے بے شمار پیسہ لگا کر اس معاملے کو ختم کروایا۔" حریم کی بات پر وہ ہکا بکا رہ گئی۔ اس قدر گھٹیا پن کی خیر اُسے نوفل سے توقع نہیں تھی۔ اُسے پہلی دفعہ معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔

"تمہیں کیا یہ سب اس کی کزن نے بتایا......؟؟؟" ہانیہ کی بات پر اس کے لبوں پر بڑی بے بس سی مسکراہٹ پھیلی تھی ایسا لگا تھا کہ وہ رو دے گی۔

"ہاں اُسی نے بتایا تھا اور اس لڑکی کا سیل نمبر بھی دیا کہ وہ اسلام آباد میں شفٹ ہو گئی ہے اور آپ جا کر خود اس کے ساتھ تصدیق کر سکتی ہیں....."

"تو کیا تم اس لڑکی سے ملیں......؟؟؟" ہانیہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"ہوں....."

"پھر......؟؟؟" ہانیہ چائے پینا بھول کے سخت تعجب سے اس کا زرد چہرہ دیکھے جا رہی تھی۔ جو پچھلے چند دنوں میں نہ جانے کس کرب اور آزمائش سے گذری تھی۔

"اس نے مجھے نہ صرف اپنی دردناک داستان سنائی بلکہ یہ بھی بتایا کہ یہ شخص نفسیاتی مریض ہے اور انتقام لینے کے لیے آخری حد تک جا سکتا ہے۔ وہ واقعی اس سے محبت کرتی تھی لیکن اپنے باپ کی عزت اور نام کی بناء پر اس نے کوئی بولڈ اسٹیپ لینے سے انکار کیا تو یہ جرنلسٹ صاحب اسے مزا چکھانے کی وجہ سے میدان میں اتر آئے۔" حریم نے دور تاریکی میں سنہری جھلملاتی روشنیوں کو بڑی رنجیدگی سے دیکھا تھا۔ اس کی بات پر ہانیہ کے دماغ میں ایک کوندا سا لپکا۔

"حریم تصاویر تو تم نے بھی اُسے میل کی تھیں......" ہانیہ کو نئی فکر نے گھیرا۔

"ہاں اسی چیز کی تو مجھے بھی ٹینشن ہے......" اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا تھا۔ وہ خالی الذہن سی ہو گئی تھی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولی۔

"تم ٹھیک کہتی تھیں کہ ہم لڑکیوں کی قوم بہت بے وقوف ہوتی ہے۔ ابنِ آدم کے چند چمکتے دمکتے الفاظ پر ہماری آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور ہمیں اس شخص کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا، ہم ایک انجان شخص کو اپنی قیمتی محبت کے سارے موتی بغیر سوچے سمجھے وار دیتی ہیں یہ بھی نہیں سوچتیں کہ یہ شخص ہماری انمول محبت کے قابل ہے بھی کہ نہیں؟ ہمیں اپنے جنم دینے والے والدین سب سے بڑے دشمن لگنے لگتے ہیں۔ اپنے خونی رشتوں سے بیزاری کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اپنے قریبی دوست زہر لگنے لگتے ہیں یہ کیسی عجیب محبت ہوتی ہے ناں......؟؟؟"

ہانیہ کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اُٹھ کر ریلنگ کے پاس آن کھڑی ہوئی تھی۔ فضا میں خنکی کے ساتھ ساتھ جنگلی پھولوں کی مہک تھی۔

''تم اب کیا کرو گی......؟؟؟'' اُس نے مڑے بغیر پوچھا تھا۔حریم نے منہ کھول کر سانس لیا جیسے اپنے اندر کی گھٹن کو کم کرنے کی کوشش کی ہو۔

''تم میری جگہ ہوتیں تو کیا کرتیں......؟؟؟'' اس کے لہجے میں آزردگی اور بے بسی تھی۔اس کی بات پر ہانیہ چونکی اور ریلنگ کے ساتھ ٹیک لگائے مڑی۔

''دیکھو میں تو بنت حوا ہوں۔میرے سینے کے اندر بھی ویسا ہی دل ہے جو تم رکھتی ہو،لیکن میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ ضابطے،اصول اور حدود قائم کر رکھی ہیں۔یقین مانو میں نے ان حدود کے ساتھ بہت اچھی زندگی گذاری ہے۔بگاڑ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ہم زندگی کی متعین کردہ حدوں سے نکلتے ہیں۔محبت زندگی کا سب سے خوبصورت تحفہ سہی لیکن میرے لیے پہلی ترجیح عزت نفس اور اپنی ذات کا وقار رہا ہے۔اس پر سمجھوتہ کرنا میرے لیے ننگے پاؤں شعلوں پر چلنے کے مترادف ہے۔''

''کیا مطلب......؟؟ تم کیا کہنا چاہتی ہو......؟؟؟'' حریم بری طرح الجھ گئی تھی۔پاس ہی کسی درخت سے کوئل بلند آواز میں چیخی تھی۔

''میں جانتی ہوں کہ تم اب بھی اُس سے محبت کرتی ہو ورنہ تم کبھی بھی اتنی الجھی ہوئی اور آزردہ نہ ہوتیں۔تمہارے سامنے صارم ایک بہترین انتخاب کے طور پر ہے۔اسکے باوجود بھی تم بہت سی الجھنوں کا شکار ہو۔اگر اپنی محبت کا ظرف بڑا کر سکتی ہو تو نوفل کی طرف لوٹ جاؤ،اس نے ماضی میں جتنی بھی جھک ماری ہو لیکن میں نے اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے محبت ہی دیکھی ہے،لیکن اگر تمہیں اپنی عزت نفس اور وقار عزیز ہے تو پھر پیچھے مڑ کر مت دیکھو کیونکہ آزمائے ہوئے بندے کو دوبارا آزمانا اپنی ذات کے ساتھ دشمنی کرنے کے برابر ہے۔'' ہانیہ کی بات پر حریم جو ہونٹ کاٹتی،آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں بے حال تھی ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔وہ عجیب کشمکش سے دوچار تھی۔ایک ایک لمحہ اذیت اور کرب میں گذر رہا تھا۔قسمت نے اُسے عجیب سے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔

''ہانیہ تمہیں فواد بھائی یاد آتے ہیں؟ کیا تم آج بھی ان سے محبت کرتی ہو......؟؟؟'' ساڑھے تین سال بعد ان دونوں کے درمیان پہلی دفعہ اس موضوع پر بات ہوئی تھی۔حریم کے عجیب سے انداز میں پوچھے گئے سوال پر اس کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔

''وہ مجھے بھولتے ہی تو تب یاد آتے ناں۔جہاں تک بات محبت کی ہے تو فواد کو جہاں لگا کہ اس کے خاندان والے میرے کردار پر انگلیاں اٹھائیں گے۔انہوں نے اپنی محبت پر میری عزت کو ترجیح دی،کہیں پر بھی مجھے بے وقعت نہیں کیا اور جو شخص آپ کو پورے وقار کے ساتھ چاہتا ہو۔وہ آپ کی زندگی سے کبھی نہیں نکل سکتا۔فواد آج بھی میرے دل کے آنگن میں اُسی مقام پر ہے وہاں سے ایک انچ بھی نہیں ہلا۔'' ہانیہ کے لہجے میں محبت کی تپش نے حریم کو لاجواب کر دیا تھا۔اُسے لگا تھا کہ فواد کی زندگی کی آزمائش ختم ہو گئی ہے۔اُسے ہانیہ کے جواب میں چھپے اپنے اس سوال کا جواب بھی مل گیا تھا جو اس نے اس سے پوچھا ہی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

ڈھلتی ہوئی شام کے سارے ہی رنگ زمین پر اتر آئے تھے۔ اس کے سامنے بیٹھا شخص مایوسی کی انتہاہ گہرائیوں میں گھرا اس کے سامنے ایک ایک اعتراف کرتا جارہا تھا۔ وہ اپنے اردگرد موجود لوگوں سے بالکل لاتعلق تھا۔ سفیدے کے درختوں میں گھری روش پر وہ دونوں چلتے چلتے اب تھک کر سفید ماربل کے بینچ پر بیٹھ گئے تھے۔ ان کے قدموں میں زرد پتوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ فضا میں وحشت بھری اُداسی کا احساس تھا۔

''بھابھی کی بہن صبا سے منگنی میری زندگی کی سب سے پہلی خود غرضی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس صورت میں مجھے اپنے ہی بھائی کے گھر میں رہنے کو ٹھکانہ مل جائے گا، کیونکہ اماں کے مرنے کے بعد سب سے پہلے بھابھی کے ماتھے کی تیوریوں میں ہی اضافہ ہوا تھا.....'' اس نے ہاتھ میں پکڑا کنکر فضا میں اچھال کر پہلا اعتراف کیا تھا۔ حریم کو ایسا لگا تھا کہ کسی نے اُسے دھکا دے کر منہ کے بل گرا دیا ہو۔

''اس کے بعد یونیورسٹی کی زندگی میں ہی مجھے احساس ہو گیا تھا کہ زندگی میرے لیے پھولوں کی سیج ہرگز نہیں ہوگی۔ انہی دنوں بھابھی کی بہن صبا میرے معاشی حالات سے تنگ آکر اپنے ایک دوبئی پلٹ کزن کی طرف مائل ہو رہی تھی اور یہ خبریں مجھے خاندان کے مختلف چینلز سے مل رہی تھیں۔ یہ میری غیرت پر ایک تمانچہ تھا۔ میں نے اس کا جواب سارہ خاکوانی کے ساتھ دوستی کر کے دیا.....'' حریم کو دھچکا لگا۔ اُس نے شکوہ کناں نظروں سے اُسے دیکھا۔ وہ اپنی انگلیوں کی پوروں سے پیشانی کو مسل رہا تھا۔ حریم نے اذیت کے احساس کے تحت آنکھیں بند کر کے سنگی بینچ کے ساتھ ٹیک لگالی تھی۔ وہ اس کی سماعتوں میں سیسہ انڈیل رہا تھا۔

''میرا خیال تھا کہ سارہ کو سیڑھی بنا کر میں بہت جلد وہ سب کچھ حاصل کرلوں گا جو میں ساری زندگی کسی اخبار یا چینل کا رپورٹر بن کر حاصل نہیں کر سکتا۔ مجھے سارہ سے محبت نہیں بس انسیت تھی۔ وہ محض بھابھی کی بہن کو جلانے کے لیے میری زندگی کی ایک بڑی غلطی تھی۔ اُس کے باپ نے مجھے بری طرح ریجیکٹ کر کے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے امریکن نیشنلٹی ہولڈر بھتیجے کے ساتھ کر دیا۔ اُس کے باپ نے نہ صرف رشتہ دینے سے انکار کیا بلکہ میری بُری طرح تذلیل بھی کی۔ میں مشتعل ہو گیا، میں مانتا ہوں کہ انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے میں نے جو کچھ کیا، وہ بہت غلط کیا، لیکن مجھے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں، کیونکہ سارہ نے بھی میرے ساتھ بے وفائی کی تھی، میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔'' اس کی آواز میں دنیا جہاں کی تلخی اور لہجے میں جلتے کوئلوں کی تپش تھی۔ اُس کی عجیب وغریب منطق پر حریم نے آنکھیں کھول کر اُسے دیکھا۔ جس کے چہرے پہ کوئی پچھتاوہ نہیں تھا۔ وہ سخت مایوس ہوئی۔ اُسے اپنے سامنے بیٹھا شخص پہلی دفعہ اجنبی محسوس ہوا تھا۔

''اگر تمہیں سارہ سے محبت نہیں تھی تو وہ بے وفائی کرتی یا نہ کرتی، اس سے تمہیں کیا فرق پڑ سکتا تھا، اور دھوکا تو تم اُسے دے رہے تھے۔'' وہ چاہتے ہوئے بھی اُسے یہ نہیں جتا سکی تھی۔

''پھر تم میری زندگی میں آئیں، مجھے لگا کہ میرے سارے دکھوں کا مداوا ہو گیا ہے.....'' وہ سر جھکائے رنجیدہ لہجے میں بول رہا تھا۔ ''لیکن جب تم نے مجھے اپنے نکاح کا بتایا تو مجھے ایسا لگا کہ شاید زندگی ایک دفعہ پھر مجھے آزمانے کو اپنے سارے وار لیے سامنے آگئی ہے۔ میں اُس ساری رات میں ایک لمحے کو بھی نہیں سو سکا تھا۔ نہ جانے کیوں اللہ نے مرد کی محبت کا ظرف اتنا چھوٹا کیوں بنایا ہے.....؟ وہ سارے جہاں کی خاک چھان آئے لیکن اسے اپنے لیے لڑکی وہی چاہیے ہوتی ہے جس پر کسی نے بھی ایک غلط نگاہ نہ ڈالی ہو.....'' وہ بات کرتے کرتے رکا۔ اس نے سر اٹھا کر

حریم کا ضبط کی کوشش میں بے حال سرخ چہرہ دیکھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو مضبوطی سے جکڑے بینچ کے کونے پر ٹکی ہوئی تھی۔

"جب صبا نے تمہیں کال کی، مجھے اسی وقت اندازہ ہوگیا تھا کہ پانسہ پلٹ چکا ہے، میں بوکھلا گیا تھا اس لیے میں نے اپنی منگنی کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ معاملہ ٹھنڈا ہونے پر سب سے پہلے تمہیں ساری حقیقت بتا دوں گا لیکن میری اسی بات نے مجھے "محرم" سے "مجرم" بنا دیا۔ تم مجھے جو بھی سزا دینا چاہو، دے سکتی ہو، لیکن خدا کے واسطے مجھے یہ مت کہنا کہ میں نے تم سے محبت نہیں کی۔" وہ اس کو دم بخود دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ شخص تو نہیں تھا جس سے وہ چھ ماہ سے محبت کرتی آئی تھی۔ یہ تو ایک غیر متوازن شخصیت کا حامل شخص تھا۔ جو صرف اپنے مفادات اور اپنی پسند اور ناپسند کو مدنظر رکھتا تھا۔ اس کے اعصاب پر منوں بوجھ آن گرا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے سامنے بیٹھا شخص آج اس کے ساتھ کوئی بھی جھوٹ نہیں بول رہا لیکن اس کے باوجود اس نے بھی بڑی وقت سے خود کو بولنے پر آمادہ کیا۔

"دیکھو نوفل، جو داستان تم نے مجھے سنائی ہے یقین مانو کچھ عرصہ پہلے اپنی زبان سے سنا دیتے تو مجھے ان چیزوں سے کوئی فرق نہیں پڑنا تھا....." گیند اب اس کے کورٹ میں آ گئی تھی اس نے بڑی مہارت سے پہلا شاٹ لگایا تھا۔

"تمہیں یاد ہے کہ جس روز میں نے تمہیں اپنی نکاح کی بات بتائی، میری وہ رات کانٹوں کے بستر پر بسر ہوئی تھی۔ میں اس رات کی اذیت کو بھی بھول جاتی لیکن تم نے اس بات کے بعد جو مجھے اذیت دینے کا سلسلہ شروع کیا وہ میں مر کر بھی نہیں بھول سکتی، تم اکثر بات کرتے کرتے مجھ سے اچانک پوچھ لیتے تھے کہ کیا جنید بھی تم سے اظہار محبت کرتا تھا؟ حالانکہ میں بارہا تمہیں بتا چکی تھی کہ ہمارے درمیان ایسا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔" اس نے اپنے اندر پھیلے کرب کے دھوئیں کو کم کرنے کے لیے لمبا سانس لیا۔ جب کہ نوفل کا سانس اس کے حلق میں ہی اٹک گیا تھا۔

"پھر جس دن تمہاری بھابھی کی بہن نے مجھے فون کیا اس سے ایک دن پہلے ہی تم نے مجھے کہا تھا کہ جس شخص کے ساتھ آپ کا نکاح ہو چکا ہو ایسے کیسے ممکن ہے کہ آپ کا اس کے ساتھ کسی قسم کا رابطہ نہ ہو، کوئی تعلق یا واسطہ نہ ہو۔ تمہاری اس بات پر میں شاکڈ رہ گئی۔ تمہیں میری کہی گئی کسی بات کا شاید اعتبار نہیں تھا۔ میں نے اسی دن سوچ لیا تھا کہ مجھے تم سے شادی نہیں کرنی، میں ساری زندگی تمہیں وضاحتیں نہیں دے سکتی تھی پھر محبتوں میں وضاحتوں کی گنجائش ہی بھلا کہاں ہوتی ہے....." حریم کی بات پر نوفل کو سو واٹ کا جھٹکا لگا تھا۔ وہ تعجب اور بے یقینی سے اپنے سے کچھ فاصلے پر بیٹھی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو ایک لمحے میں اُسے اب صدیوں کے فاصلے پر دکھائی دے رہی تھی۔

"دیکھو نوفل محبت اور شک کبھی بھی ایک گھر میں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ جب شک کسی دروازے سے گھر میں داخل ہوتا ہے تو محبت اگلے دروازے سے باہر نکل جاتی ہے۔" وہ اپنی دھن میں بول تو رہی تھی لیکن اس کے چہرے پر صدیوں کی تھکن رقم تھی۔ جب کہ اس کا ایک ایک لفظ نوفل کے دل پر چھریاں چلا رہا تھا۔

"ایک ایسے شخص کو جس کا اپنا ماضی بھی داغدار ہو، اُسے کسی دوسرے شخص کے کردار پر بات کرنے کا کوئی حق نہیں۔ آپ اگر کسی سے محبت کرتے ہیں تو آپ کو یہ حق نہیں مل جاتا کہ آپ اگلے بندے کی سانسوں کا بھی حساب کتاب لینا شروع کر دیں۔ مجھے تکلیف اس بات پر تھی کہ میرا نکاح جو کہ ایک بالکل شرعی اور اسلامی طرز عمل تھا تم نے اس پر میری اتنی لعن طعن کی اور خود اپنے دامن میں سارے جہاں کی ذلتیں سمیٹے ہوئے بھی

پاک باز بنے رہے۔ اگر تمہاری کزن مجھے فون نہ کرتی تو تم ساری زندگی اپنے پارسا ہونے کا میڈل گلے میں لٹکائے مجھ سے داد وصول کرتے رہتے......" نوفل کو لگا تھا کہ جیسے حریم نے اس پر انگارے اچھال دیے ہوں یا پھر ایفل ٹاور سے دھکا دے دیا ہو۔ وہ سخت حیرت سے اس لڑکی کے چہرے پر پھیلا تنفر دیکھ رہا تھا۔ وہ نہ جانے ضبط کے کن کڑے مراحل سے گذر رہی تھی۔ وہ لڑکی جس نے اُسے خلوص دل سے چاہا تھا۔ وہ اب زہر خند لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"میرا جرم فیس بک پر آپ سے دوستی تھا ناں۔؟" وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ "آپ نے مجھ سے ملنے کے بعد سب سے پہلے میرے انٹرنیٹ استعمال کرنے پر پابندی لگا کے میری ذات کو بے وقعت کر دیا۔ مجھے لگا کہ میں شاید کمزور کردار کی حامل وہ لڑکی ہوں جس پر وہ شخص بھی اعتبار نہیں کرے گا جس کو دنیا میں سب سے زیادہ اس سے محبت کا دعویٰ ہے....." اُس کے چہرے کے نقوش تن سے گئے تھے۔ "اگر فیس بک پر دوستی میرے لیے بہت بڑا جرم تھی تو آپ بھی تو اس جرم میں برابر کے شریک تھے....." وہ اس سے سخت بدظن تھی۔ اُس کی آنکھوں سے نکلنے والے شعلے لگتا تھا گلے بندے کو جلا کر بھسم کر دیں گے۔ سیاہ رنگ کے سوٹ میں وہ حزن وملال کی ایک جیتی جاگتی تصویر لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہو چکی تھیں لیکن وہ پھر بھی بڑے حوصلے اور ہمت کے ساتھ ہانیہ کے اصرار پر آخری دفعہ اُس سے ملنے کے لیے آ گئی تھی۔ اب وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اُسے آئینہ دکھا رہی تھی۔

"آپ مردوں کا المیہ یہ ہوتا ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ کردار بس عورتوں کا ہوتا ہے، مرد کو ہر کام کرنے کا پرمٹ ہے۔ وہ جہاں مرضی جائے ،اُس پر اخلاقیات کا کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا۔ وہ جتنے مرضی افیئر ز چلائیں، اُن سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ اُن کے ماضی میں چاہے جتنی بھی رنگین داستانیں ہوں، ان سے کوئی فرق نہیں پڑتا" حریم کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا تھا۔

"آئی ایم سوری حریم، میرا ان تمام باتوں کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا۔ وہ میری محبت کی شدت پسندی تھی۔ مجھے صبا یا سارہ خاکوانی سے کبھی وہ انسیت محسوس نہیں ہوئی، بائے گاڈ میرے دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش برپا کر دینے والا پہلا نام تمہارا تھا۔ تمہاری خاطر میں نے کراچی کو چھوڑا، میں وہاں سے وابستہ کسی بھی چیز کے ساتھ اپنے مستقبل کی بنیاد رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس وجہ سے ان تمام چیزوں سے تمہیں لاعلم رکھا۔ فار گاڈ سیک میرا اعتبار کرو....." حریم نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ کسی مرد کو بے آواز روتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ چیز اس کا دل دکھا تو رہی تھی لیکن وہ اس مرحلے پر کمزور ہونا نہیں چاہتی تھی۔

"مت بات کریں آپ محبت کی.....اور خدا کے واسطے یہ شدت پسندی کی آڑ لے کر اپنی غلط چیزوں کا جواز مت ڈھونڈ لیا کریں....." وہ زندگی میں پہلی دفعہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی تھی۔ "یہ شدت پسندی کسی دن ہمارے معاشرے کو اور ہماری زندگیوں کو نگل لے گی....." وہ سانس لینے کو رکی۔

"میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ سارہ خاکوانی ہو یا آپ کی سابقہ منگیتر، مجھے ان چیزوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، مجھے فرق پڑتا ہے تو آپ کے جھوٹ، غلط بیانی، خود غرضی اور شکی مزاج طبیعت سے۔ غلط کہتے ہیں لوگ کہ محبت مر نہیں سکتی، یہ مر جاتی ہے جب اسے شک کی دیواروں

سے بے اندھے کنویں میں قید کر دیا جائے، جہاں زندگی کی ہوا نہ ہو۔ جہاں ہر روز آپ پر لفظوں سے سنگ باری کی جائے۔ جہاں روشنی کی کوئی لکیر، سانس لینے کو کوئی روزن وان نہ ہو۔ ایسے گھٹن زدہ ماحول میں کوئی بھی چیز بھلا کتنا عرصہ جی سکتی ہے۔'' وہ سلگتی ہوئی لکڑی کی طرح چٹخ رہی تھی۔

''تمہیں سارہ خاکوانی سے محبت نہیں تھی، لیکن اُسے تو تھی ناں۔ اُس کا جرم بس اتنا تھا کہ اُس نے اپنے باپ کا مان رکھا اور تم نے اُسے مان رکھنے کی سزا یہ دی کہ کہیں منہ دیکھانے کے قابل نہ چھوڑا۔ میرے اور سارہ جیسی لڑکیوں کا انجام شاید اس سے بھی عبرت ناک ہونا چاہیے جو گھر والوں کے دیے گئے اعتماد کو داؤ پر لگا کر کسی اجنبی کے خوشنما لفظوں کے پیچھے پاگل ہو جاتی ہیں یہ بھی نہیں سوچتیں کہ ان خوبصورت لفظوں کو ادا کرنے والے بعض لوگ اندر سے بہت بدنما اور کائی زدہ سوچوں کے حامل ہوتے ہیں۔'' وہ آج نوفل یزدانی کو کوئی بھی رعایت دینے پر تیار نہیں تھی۔

''میں مانتی ہوں کہ جب بنت حوا کسی سے محبت کرتی ہے تو اپنی زندگی ہی اس شخص کے آگے گروی رکھ دیتی ہے۔ اپنا سب کچھ اس ایک شخص پر دان دیتی ہے لیکن وہ شخص اس کے جواب میں اگر اُسے محبت کے ساتھ عزت اور وقار نہ دے تو یقین کریں کہ بنت حوا کے لیے وہ محبت کا بنا تاج محل بھی دو کوڑی کا ہو جاتا ہے۔ وہ اگر کسی شخص کو اپنے سچے اور انمول جذبے دیتی ہے تو جواب میں بھی اُسے وہ ہی چیزیں چاہیے ہوتی ہیں، لیکن ابن آدم نہ جانے کیوں اس زعم میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کے منہ سے نکلنے والے سحر انگیز الفاظ سے بنت حوا کے سوچنے، سمجھنے اور دیکھنے کی ساری حسیں بے کار ہو جائیں گی اور وہ ایک ہی شخص کے نام کی مالا جپتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ان وادیوں میں اتر جائے گی جس کے خواب اس نے دن دیہاڑے اُسے دیکھائے ہوتے ہیں جو ایک لمحے میں حقیقتوں کے سورج کے نمودار ہونے سے بخارات بن کر فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔'' اُس کے زہر آلود لہجے پر وہ حواس باختہ انداز سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ جو خنجر نما الفاظ سے اُس پر حملے کر رہی تھی۔ اُسے احساس تک نہیں تھا کہ الفاظ کی یہ گولہ باری اُسے کتنی تکلیف دے رہی ہے۔

''محبت دنیا کی آخری قیمتی ترین چیز بھی ہو تو میرے لیے میری ذات کی وقعت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ تمہیں اندازہ نہیں تم نے مجھے پچھلے بیس دنوں میں کتنی اذیت دی۔ جانے انجانے میں میری ذات کا غرور ختم کرتے رہے۔ میری عزت نفس کو مجروح کرتے رہے۔ میں تمہیں صفائیاں دیتی رہی کہ میرا جنید کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا لیکن تم پھر بھی بدگمانی اور شک کی عینک سے مجھے دیکھتے رہے اور پھر نہ جانے کب محبت کی ڈور میرے ہاتھوں سے پھسلی، مجھے پتا ہی نہیں چلا۔'' حریم نے اُس کے جسم پر بلڈوزر ہی تو چلایا تھا وہ سخت کرب سے اُس کو دیکھ رہا تھا۔

''انہی دنوں میں نے اللہ سے بس ایک دعا کی تھی کہ یا اللہ میرے لیے بہترین راستہ نکال دے۔'' وہ اب بڑے ہموار لہجے میں بول رہی تھی۔ ''میرے تایا کی تیس سال کے بعد پاکستان آمد اور اپنے بیٹے کے لیے میرا پرپوزل، اللہ کی طرف سے میری دعاؤں کو قبولیت بخشنے کی نوید تھی۔

میں نے سابقہ تجربے کے تحت اپنے کزن کو اپنے نکاح کے بارے میں بتانا چاہا تو اس نے پہلی بات پر دو ٹوک انداز میں کہا۔ ''میں ماضی میں نہیں حال میں جینے والا بندہ ہوں۔ اگر اللہ نے آپ کو میری قسمت میں لکھا ہے تو آپ کو اس نکاح کے بعد ہی میرے نکاح میں آنا تھا۔ میں کون ہوتا ہوں اللہ کے کاموں میں دخل دینے والا، یقین کرو نوفل یزدانی میرے ہونٹوں پر مہر لگ گئی۔ وہ شخص پچھلے چھبیس دنوں سے چوبیس گھنٹے ہمارے گھر میں رہ رہا ہے۔ اس کا میرے ساتھ محبت کا نہیں احترام اور باہمی عزت کا رشتہ ہے، اور جتنا سکون مجھے اس رشتے نے دیا ہے تمہاری تیرہ ماہ کی محبت بھی نہیں دے سکی۔'' اُس کی بات پر نوفل کو شاک لگا تھا۔ اُسے محسوس ہوا جیسے اس کی قوت گویائی چھن گئی ہو۔ وہ منہ کھولے بے یقینی کے عالم میں

اُسے دیکھ رہا تھا جو عام سے لہجے میں اُسے راستہ بدلنے کی اطلاع دے رہی تھی۔

''اب میری ماما نے بھی میری شادی طے کر دی ہے اب بتاؤ کہ انٹرنیٹ پر میری تصویریں کب اپ لوڈ کرو گے ظاہر ہے کہ میں نے بھی تم سے بے وفائی کی ہے۔ مجھے بھی اس کی سزا ملنی چاہیے......'' اس کا لہجہ اتنا سفاک نہیں تھا جتنا کہ دیکھنے کا انداز۔ وہ اُسے اپنی باتوں سے ذبح کر رہی تھی۔ وہ کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اُسے لگا تھا کہ وہ بہت بلندیوں سے کسی کیچڑ میں گر گیا ہے۔ اس کا سارا جسم غلاظت میں لت پت ہے۔

''تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں......'' اس نے باقاعدہ دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ کر بے بسی سے کہا تھا۔ وہ اب اس کا ہاتھ تھامے بڑی لجاجت سے کہہ رہا تھا۔ ''میں اتنا بُرا انسان نہیں ہوں، جتنا تم مجھے سمجھتی ہو۔ پلیز مجھے مت چھوڑو'' اُس نے آخری دفعہ ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی تھی۔

''بات تمہارے بُرا ہونے کی نہیں، بات میرے ''اچھا'' ہونے کی ہے، کیونکہ میں بھی اتنی اچھی انسان نہیں ہوں، جتنا تم مجھے سمجھتے ہو۔'' اس نے دو بدو کہا تھا۔ وہ بڑی آس بھری نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ حریم نے بے ساختہ اس سے نظریں چرائی تھیں کیونکہ وہ سارے خواب اور جگنو جو اس نے، اُس کے آنچل سے باندھے تھے وہ حریم نے اڑا دیے تھے۔ اُس کے دامن میں اب اس کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

''فار گاڈ سیک حریم، میرے ساتھ ایسا نہ کرو۔ میں تم سے آج بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں......'' وہ بے بسی کی انتہا پر تھا۔

''آئی ایم سوری نوفل، تم اب لاکھ سونے کے بھی بن کر آ جاؤ، لیکن میں اب پلٹ نہیں سکتی، میں بہت اچھی دوست نہ سہی، میں بہت اچھی انسان نہ سہی لیکن میری ماما کہتی ہیں کہ میں بہت اچھی بیٹی ہوں اور اچھی بیٹیاں اپنے والدین کا مان نہیں توڑا کرتیں۔'' حریم کے تحمل میں رتی بھر بھی فرق نہیں آیا تھا۔ اس کے لہجے میں کچھ تھا کہ نوفل کو کچھ اور کہنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور نوفل نے اذیت اور کرب کے احساس سے آنکھیں میچ لی تھیں۔ درد تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ اُسے روکنا چاہتا تھا لیکن لفظ اُس سے روٹھ گئے تھے۔ حلق میں پوری قوت لگانے سے بھی ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا۔ بے بسی کے گہرے احساس کے زیر تحت اس کی آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت میں بہہ رہے تھے اور بدقسمتی سے اُس کے سامنے کھڑی لڑکی کو آنسوؤں کی زبان سمجھ نہیں آ رہی تھی یا وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

''بی بریو......نوفل، مرد بنو، ہمت سے کام لو۔ تمہارا اور میرا ساتھ بس یہیں تک تھا۔ اللہ تمہیں بھی بہترین چیز دے گا......'' اُس نے اٹک اٹک کر چند بے ربط جملے ادا کیے تھے۔ کچھ بھی تھا اس شخص کے ساتھ اس کا تعلق رہا تھا۔ جب کہ وہ اس کی بات کے جواب میں سوچ رہا تھا۔

''غلط کہتے ہیں لوگ کہ مرد بہت ہمت اور حوصلے والے ہوتے ہیں۔ وہ روتے نہیں، وہ ان تمام لوگوں سے پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا مرد کو اللہ نے کسی ایسے میٹریل سے بنایا ہے جس پر دکھ، درد اور تکلیفیں اثر نہیں کرتیں۔؟ ان کو بھی اتنی ہی تکلیف اور غم ہوتا ہے جتنا کسی بھی عورت کو ہو سکتا ہے۔ دکھ، درد، رنج، کرب یہ سارے جذبے صنف کی تقسیم سے بے نیاز ہوتے ہیں۔'' اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو چھپا لیا تھا۔ وہ اُس لڑکی کو جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا جو اس کی زندگی کی سب سے قیمتی متاع تھی۔ جسے اُس نے اپنی بے وقوفی سے کھو دیا تھا۔

آسمان پر تیرگی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔ پرندوں کے غول اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے۔ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اسے معلوم تھا کہ واپسی کا سفر کتنا بھی تھکا دینے والا کیوں نہ ہو لیکن اگر یہ پتا ہو کہ کوئی ہمارا منتظر ہے تو یہی احساس جسم و جاں میں تقویت بھر دیتا ہے۔ اُسے بھی اب

گھر جانے کی جلدی تھی زرد پتوں کی روش پر سرعت سے چلتے ہوئے اُس نے ایک دفعہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی اُسے مستقبل میں ایسا کرنا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ شخص ہچکیاں لے کر رو رہا ہوگا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ لاکھ بُرا سہی۔ اُس سے محبت تو کرتا تھا لیکن محبت کے آداب سے ناواقف تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ حریم کا المیہ تھا کہ اُسے بہت دنوں سے اس شخص کی شک کے ریپر میں لپٹی محبت میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اُس کے دل نے اس کے نام پر بے ترتیب ہونا چھوڑ دیا تھا۔

صنوبر کے سدابہار درختوں کے نیچے سے گذرتی ہوئی وہ بھاگ کر ابن سینا روڈ پر آ گئی تھی۔ سامنے اُس کا گھر تھا۔ ٹیرس پر سیاہ جینز کے ساتھ کاسنی شرٹ میں ملبوس صارم نے اُسے دیکھ کر جوش سے ہاتھ ہلایا تھا۔ تھوڑا سا قریب جانے پر اس نے سر اُٹھا کر دیکھا تو وہ اس کی بھوری بلی کو کندھوں پر بے تکلفی سے بیٹھائے، کافی کا مگ پکڑے، ریلنگ سے جھک کر دلچسپی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمکتے ستاروں کی روشنی سے حریم اعجاز نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ اب بالکل ٹھیک اپنے مدار میں داخل ہو گئی ہے۔ اُس نے بھی پہلی دفعہ کھل کر مسکراتے ہوئے اُسے اور اپنی مانو بلی کو جوابی ہاتھ ہلا کر اپنے جلد واپس آنے کی اطلاع دی تھی۔

❀

ختم شد